

ربوبندی بدیلوی اختلاف میں

# راہ اعتدال

جس میں قرآن وحدیث اور عقل کی روشنی میں آنحضرت ﷺ  
کے بارے میں نور و بشر، عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختار کل  
جیسے عقائد پر عام فہم انداز میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے

تالیف  
مولانا محمد وسیم میوانی

مکتبۃ الجامعة البنوریۃ العالمیۃ

www.ownislam.com

## ﴿عرض ناشر﴾

اکابر علمائے کرام کی مخلصانہ دعاؤں، مشاہیر امت کی خصوصی توجہات اور الجامعۃ البنوۃ العلمیۃ کے مستند و فرض شناس طلب، اساتذہ و عملے کی محنت سے الحمد للہ جامعہ نے بہت قلیل عرصے میں بڑی سرعت سے ترقی کی منازل طے کر کے ایشیا کے چیدہ چیدہ مدارس میں نہ صرف اپنی جگہ بنالی ہے بلکہ گونا گوں خصوصیات کی بنا پر اقوام عالم میں اپنی صلاحیت کا لوہا بھی منوالیا ہے۔

﴿ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء﴾

الجامعۃ البنوۃ العلمیۃ کی طرف سے قائم کردہ ”مکتبہ جامعہ بنوریہ“ کسی تعارف کا محتاج نہیں جو کسی تجارتی یا معاشی مقاصد کی بجائے محض علوم نبوت کی حفاظت اور ترویج و اشاعت کیلئے قائم کیا گیا ہے۔ اب تک پیشکار اکابرین کے علمی شاہکار اس مکتبہ کی بدولت منصفہ شہود پر آچکے ہیں جنکی عوامی حلقوں میں بیحد پذیرائی آپ کے خلوص اور ہمارے اعتماد کی ضامن ہے۔ مکتبہ سے شائع شدہ معیاری و دینی کتب میں روحۃ الازہار، شادی کے طریقے، التوبیر شرح خمیر، جدید فقہی تحقیقات اور شہرہ آفاق تفسیر ”روح القرآن“ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ جامعہ کے مہتمم و شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد نعیم دامت برکاتہم عرصہ دراز سے علوم نبوت پھیلانے میں مصروف پیکار اور اسلام میں پیوندکاری کرنے والوں کے خلاف سد سکندری ثابت ہوئے ہیں اور اپنے اکابر کے نقشب قدم پر چلتے ہوئے انہیں ہر محاذ پر شکست فاش سے دوچار کیا ہے۔

ہمارے جامعہ کے فاضل اور دارالتصنیف کے رکن رکیں مولانا محمد وسیم میواتی کی تالیف لطیف ”دیوبندی بریلوی اختلاف میں راہ اعتدال“ انہی خدمات کا تسلسل ہے جس میں ہر قسم کے تعصب و گروہ بندی سے بالاتر ہو کر مخلصانہ جذبے سے ”راہ اعتدال“ دکھلائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب افراط و تفریط کے شکار موجودہ معاشرے کو اعتدال پر لانے کے سلسلے میں ایک اہم کاوش ثابت ہو۔

والسلام مع العز ولا حرام

(ایڈمنسٹریٹر) مولانا غلام رسول مدظلہم

الجامعۃ البنوۃ العلمیۃ

نام کتاب ————— راہ اعتدال

تالیف ————— مولانا محمد وسیم میواتی

سرورق ————— فراز احمد

طبع ————— دوئم

اسٹاکسٹ

مکتبہ الجامعۃ البنوۃ العلمیۃ سائٹ کراچی

رابطہ 021-2560300-2560400



## فہرست مضامین

52	21	احادیث طیبہ اور عقیدہ علم غیب
57	22	فقہائے احناف اور عقیدہ علم غیب
58	23	خلاصہ کلام
59	24	حاضر و ناظر کا مفہوم
59	25	قرآن کی روش حاضر و ناظر
62	26	تصویر کا دوسرا رخ
64	27	حضور ﷺ کا حج و عمرہ اور احکام
65	28	حضور ﷺ کا محفل میں تشریف لانا
68	29	عقل کی میزان میں
70	30	پہلا مقالہ
71	31	دوسرا مقالہ
72	32	تیسرا مقالہ
74	33	آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجنا
77	34	آنحضور کی مروجہ محفل
79	35	احادیث طیبہ اور عقیدہ حاضر و ناظر
84	36	فقہائے احناف اور عقیدہ حاضر و ناظر
84	37	خلاصہ کلام
86	38	مختار کل کا مفہوم
87	39	رسول اللہ کا مقام و مرتبہ

## فہرست مضامین

7	1	نور کا مفہوم
9	2	سابقہ قوموں کا نکتہ اعتراض
15	3	تصویر کا دوسرا رخ
17	4	بے خبر کون ہوتے ہیں؟
20	5	عقل کی میزان میں
21	6	احادیث طیبہ اور عقیدہ نور و بشر
23	7	فقہائے احناف اور عقیدہ نور و بشر
24	8	خلاصہ کلام
26	9	علم غیب کا مفہوم
26	10	رسول اللہ کے علوم مبارکہ
28	11	قرآن کی روش غیب دان
32	12	ایک حکایت ایک سبق
33	13	قیامت واقع ہونے کا علم
36	14	تصویر کا دوسرا رخ
40	15	غیب کی خبر یا اطلاع دینا
40	16	حضور ﷺ کا پہلے علوم سے بے خبر ہونا
42	17	عقل کی میزان میں
43	18	قرآن و حدیث سے چند واقعات
47	19	ذاتی اور عطائی علم غیب
48	20	سابقہ انبیاء کرام اور علم غیب



## ابتداءً



الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على سيدنا محمد اشرف  
الانبياء وعلى اله واصحابه الاتقياء وعلى من تبعهم الى يوم الجزاء

عام طور پر دارالعلوم دیوبند اور بریلی کی طرف منسوب دو مکاتب فکر کے افراد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متقدم اور مجدد الف و شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جیسے اکابر کے عقیدت و معترف سمجھے جاتے ہیں لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج کل ٹوائی سٹ پر ایک طرح کی تشدد لہریں اٹھی ہے جس کی وجہ سے عدم برداشت سے ہوتے ہوئے اب نوبت ایک دوسرے کی تکفیر تک جا پہنچی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کا موقف سنا تو درکنار، چہرہ تک دیکھنے کا روادار نہیں۔ بلاشبہ یہ صورتحال جاں بلب امت مرحومہ کے لئے کسی طرح بھی نیک شگون نہیں۔ معاشرے کا عام فرد جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں زندگی بسر کرنے کا مقصد ہے عیب اضطرابی بیخیت سے دوچار ہے اور اس الجھاؤ کا شافی کافی جواب چاہتا ہے۔

چونکہ عوام الناس لمبے پوڑے بحث مباحثہ عقلی اصطلاحات اور دلائل و براہین کے انبار کی بجائے عقل و شرع کی روشنی میں سیدھے سادے طریقے پر تلاش حق کے متلاشی ہوتے ہیں چنانچہ ہم نے کسی فریق کا نام لئے بغیر عام فہم اور مثبت انداز فکر سے ان چار بنیادی مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے جن کے اثبات و نفی اور حد سے تجاوز کے نتیجے میں مذکورہ دو گروہ وجود میں آئے ہیں۔ اگرچہ ان مسائل کے علاوہ اور مسائل بھی ہیں لیکن وہ یا تو وہ اس قدر اہم نہیں یا پھر انہی چار مسائل میں سے کسی کے ذیل میں آ جاتے ہیں اور ان کے تصفیے سے ان کا تھنید بھی ہو جاتا ہے وہ چار

## فہرست مضامین

40	قرآن کی رو سے مختار کل	88
41	قرآن و حدیث سے چند واقعات	93
42	عقل کی میزان میں	100
43	نزول قرآن اور بعثت انبیاء کا مقصد	100
44	تصویر کا دوسرا رخ	103
45	بزرگان دین اور ہم	104
46	اللہ کے عالی دربار تک رسائی	106
47	اللہ کی بارگاہ کو دنیاوی درباروں پر قیاس کرنا	106
48	اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین نام	108
49	اولاد کس سے مانگی جائے؟	109
50	کشتی کون پار لگاتا ہے؟	110
51	مزارات پر حاضری کے آداب	111
52	بیت اللہ بمقابلہ بابا کا مزار	113
53	پہلا مغالطہ	115
54	دوسرا مغالطہ	117
55	احادیث طیبہ اور عقیدہ مختار کل	118
56	فقہائے احناف اور عقیدہ مختار کل	121
57	خلاصہ کلام	122



مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

(1) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نور ہیں یا بشر.....؟

(2) آپ ﷺ عالم الغیب ہیں یا نہیں.....؟

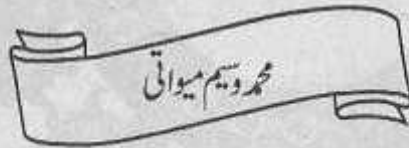
(3) آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں.....؟

(4) آپ ﷺ مختار کل ہیں یا نہیں.....؟

ہر چند کہ دیوبندی، بریلوی اختلافات اس قدر سنگین نہیں جو محل نہ کیے جاسکیں تاہم اس کے لیے خلوص نیت، رواداری، صحیح و غلط میں تمیز کرنے کی صلاحیت اور عقیدت کی بجائے حقیقت سے کام لینا پڑے گا۔ اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ جب تک یہ مسائل علمی مباحثوں اور کتابوں تک محدود تھے معاملہ اعتدال پر تھا لیکن اب یہ علمی مباحث باہمی جنگ و جدال کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور ایک سادہ لوح مسلمان بھی ان سے براہ راست متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چارونا چار ہر پبلک مقام، بسوں، چوکوں اور چوپالوں غرض جہاں دو آدمی اکٹھے ہوں مناظرہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی بنیاد محض سنی شائی باتوں پر ہوتی ہے۔ ایک ہی گھر کے مختلف افراد کا باہم دست و گریباں ہونا اور اس پر مستزاد بے علمی کی وجہ سے وہی تباہی پر آمنا، سامنے والے کو تپا کھلانے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ اختیار کرنا اور بے سرو پا الزام تراشیاں کرنا کسی طور پر درست نہیں اور نہ ہی شرعاً و اخلاقاً اس کی تحسین کی جاسکتی ہے۔ ایک سچے مومن کی یہ علامت ہے کہ اللہ کو اللہ اور رسول ﷺ کو رسول ﷺ کا درجہ دے۔ اس سے یہ مسائل خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

زیر نظر کتاب کی نمایاں خصوصیت واضح اور سنجیدہ طرز اسلوب ہے جس میں قصے کہانیوں اور

اسرائیلی روایات سے احتراز کرتے ہوئے قرآن و سنت، فقہائے احناف کے مسلک اور عقل و قیاس کی روشنی میں راہ حق و ہدایت متعین کرنے کی منصفانہ و مخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔ اقول تا آخر نہ کسی پر طعن و تشنیع ہے اور نہ ہی تنقیص کا کوئی پہلو کیونکہ مد مقابل کا احترام اس کے دل کو جیتنے کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ کسی بھی کتاب کو پڑھنے کا ایک طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ آپ ایک عقیدہ و نظریہ بنا کر اس کو پڑھیں اور جو بات بھی سامنے آئے اسے اپنے زاویہ نظر سے پرکھیں اس سے آپ کو وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے قلب و ذہن کو ہر قسم کے تعصبات سے خالی رکھتے ہوئے غیر جانبدارانہ طرز پر کتاب کا مطالعہ کریں اور جو بات صحیح اور مضبوط دلائل پر مبنی ہو، اسی کو حق مان کر خوش دلی سے قبول کرتے ہوئے اسی کے مطابق اپنا عقیدہ و نظریہ تشکیل دیں یہی کامیاب طریقہ و طرز عمل اور اہل عقل و دانش کے نزدیک حصول حق و صداقت کا ضامن ہے۔





نور کا مفہوم:

نور کا مطلق معنی روشنی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نور ازلی وابدی ہے جو اس کی ایک صفت ہے اور اسی کی شان کے لائق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾<sup>1</sup>

”اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا نور ہے۔“

خود کلام پاک کی شان میں وارد ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ نُورًا مُبِينًا﴾<sup>2</sup>

”اور ہم نے تمہاری طرف کھلا ہوا نور اتارا ہے۔“

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے مقصد بعثت کے بعد فرمایا:

﴿وَدَلِّعِي إِلَى اللَّهِ بِذِيهِ وَسِرَاجًا مُبِينًا﴾<sup>3</sup>

”آپ (ﷺ) اللہ کی طرف پکارنے والے ہیں، اسی کے علم سے اور چراغ روشن ہیں۔“

اللہ تعالیٰ بندہ مومن کو ایمان لانے کی وجہ سے کفر سے نکال کر نور ایمانی میں داخل کر دیتا ہے:

﴿يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾<sup>4</sup>

”اللہ اہل ایمان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔“

کائنات میں صرف تین اقسام کی مخلوق پائی جاتی ہیں۔ ① نوری ② تاری

③ خاکی۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ”فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں، جن

1۔۔۔ سورة نور آیت 35

2۔۔۔ سورة النساء آیت 174

3۔۔۔ سورة البقرة آیت 257

4۔۔۔ سورة احزاب آیت 46





آگ کے شعلے سے اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے۔

یہاں تک تفصیل سے معلوم ہوا کہ ”نور“ ایک مشترک لفظ ہے جس کے کئی معانی ہیں۔ ہر ایک نسبت کے لحاظ سے اس کے معنی مختلف ہوں گے۔

**اہلسنت والجماعہ** کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نور ہے بلکہ جنس نور، کیونکہ نور اس کا خاصہ اور ازلی صفت ہے۔ قرآن بھی نور ہے لیکن نور ہدایت، مومن بھی نور ہے لیکن بحیثیت نور ایمان اور رسول اللہ ﷺ بھی نور ہیں لیکن یہ نور نبوت کے اعتبار سے ہے نہ کہ جنس نور۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ اپنی ذات مبارکہ کے لحاظ سے نہ صرف نوع بشر میں داخل ہیں بلکہ آپ کا افضل البشر، سید البشر اور اکمل البشر ہونا ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ آپ ﷺ نوع انسانی کے سردار اور حواء آدم علیہما السلام کے لئے سرمایہ صدا افتخار ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ انسان ہی اشرف المخلوقات اور کائنات میں سب سے افضل و برتر ہے کلام پاک نے اسے ﴿أَحْسَنُ تَقْوِيَةٍ﴾ ”بہترین صورت والا“ سے تعبیر کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿اناسيد ولد آدم يوم القيامة﴾ ”بروز قیامت میں اولاد آدم کا سردار ہوگا“۔

حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے پہلے بشر، انسان اور آدمی ہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء کرام کی خلقت اور

پیدائش مٹی سے ہوئی ہے جس میں شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے لہذا حضور ﷺ کا بشر، انسان اور آدمی ہونا نہ صرف آپ ﷺ کے لیے طرہ امتیاز اور کمال شرف ہے بلکہ آپ ﷺ کے بشر ہونے سے بشریت و انسانیت رشک ملائکہ بنتی ہے۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ بشر، آدمی اور انسان یہ تمام الفاظ ہم معنی و مترادف ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس مٹی سے بنے انسان کو زمین پر اپنی خلافت و نیابت کے لئے چنا ہے اور نوری مخلوق (ملائکہ) کو اس کے آگے جھکا کر اس کے مقام و مرتبہ کو بڑھا دیا گیا ہے۔ معصوم فرشتوں نے بھی بحکم خداوندی بشر کو سجدہ کر کے اس کی برتری و فوقیت اور فضیلت کا اقرار کیا ہے معلوم ہوا کہ بشر کو اعلیٰ شان کا سمجھنا فرشتوں اور فرشتہ صفت لوگوں کا کام ہے۔

اب جو لوگ نبی کریم ﷺ کو ”نورانی مخلوق“ کے زمرے میں گردانتے ہیں وہ نادانستگی میں ایک طرح سے آپ ﷺ کا درجہ گھٹا رہے ہیں اور پھر یہ بات خلاف عقل ہوگی کہ انسان تمام مخلوقات سے افضل بھی ہو اور اس میں رسالت و نبوت کی اہلیت بھی نہ ہو۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ بشر اول یعنی اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کی بشریت و آدمیت کی تحقیر سب سے پہلے ابلیس نے کی اور یہی بات اس کے لئے سجدہ تعظیمی میں رکاوٹ بنی۔

سابقہ قوموں کا نکتہ اعتراض:

اگر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرتے ہوئے کچھ امتوں کے حالات و واقعات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ دعوتِ توحید کے مخالفین اور مشرکین کا پہلا اعتراض انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت پر ہی ہوا ہے۔ یہ بات کبھی ان کی سمجھ میں



نہیں آئی اور اسی وجہ سے انہوں نے ہمیشہ قبول حق کی راہ میں زبردست ٹھوکر کھائی کہ کوئی بشر، بشر ہو کر بھی رہنمائے بشر اور فرستادہ الہی کیسے ہو سکتا ہے.....؟ وہ اپنے پیغمبروں سے اصل مقابلہ اسی محاذ پر کرتے رہے اور اسی کے انکار و تردید میں لگے رہے کہ ہم اپنے ہی جیسے فرد کو رسول کیونکر مانیں.....؟ ہم میں اور ان میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔ نبوت و رسالت جیسا فضل و کمال بھلا بشر کو کیسے اور کیونکر نصیب ہو سکتا ہے.....؟ ان کے خیال میں اللہ کا نبی کوئی مافوق الفطرت ہستی یا منبع نور ہونا چاہیے تھا۔ مشرکین اور مخالفین عقیدہ حضور ﷺ کو بشر مانتے تھے کیونکہ نبی کی امتیاز کے لئے (ﷺ) نے انہی کے سامنے مکہ میں پرورش پائی پھر مدینہ ہجرت کی البتہ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ترجمانی کے لئے کسی بشر کو منتخب فرما کر اس کے سر پر تاج نبوت کس طرح سجا دیا ہے.....؟

فرق صرف اتنا ہے کہ کفار کہتے تھے کہ بشریت رسالت کے منافی ہے اور آج ناسمجھ لوگ کہتے ہیں رسالت بشریت کے منافی ہے۔ بہر حال اس حد تک دونوں متفق ہیں کہ بشریت و رسالت کا اجتماع ناممکن ہے۔ حالانکہ بشریت و رسالت کا اجتماع نہ صرف عین ممکن بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔

اصل میں مسلمان جس قدر اسلامی احکام اور علمی مجالس سے دور ہوتے جا رہے ہیں جہالت دلوں میں گھر کرتی جا رہی ہے اور بے دینوں کے عجیب ماروائے عقل انسانے عقیدے کی بنیاد بنتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ عقیدت اور عقیدے میں تمیز ضروری ہے۔ اب تو لوگوں کا عقیدہ بن گیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام حدود بشریت سے متجاوز ہو کر مرتبہ الوہیت نہ سہی اس کے قریب تو ضرور پہنچ گئے تھے اور خیر سے انبیاء کا درجہ تو پھر بلند ہے خوش عقیدگی کے غلو میں ہر ولی و بزرگ کو بشری تقاضوں سے ماروا سمجھا جانے لگا

ہے گویا کہ وہ ایسی شے نہیں کہ بھوک و پیاس انہیں ستائے، سردی و گرمی سے متاثر ہوں، کسی پر غصہ کریں، ڈریں یا بھاگیں یا کوئی شے ان کے احاطہ علم سے باہر ہو یہ عقائد شریعت اسلامی کے سراسر خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو محض بشر بنا کر بھیجا ہے اور اپنے کلام میں ان کی بشریت کے ایک ایک جز کو نمایاں کیا ہے۔

قرآن انبیاء علیہم السلام کو بشر کہتا ہے یا نور.....؟

آنحضرت ﷺ کے بشر ہوتے ہوئے رسول ہونے کا انکار سب سے پہلے ولید بن مغیرہ نے کیا:

﴿إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾

”کچھ نہیں یہ تو ایک آدمی کا کہا ہوا ہے۔“

اللہ نے سزا کے طور پر فرمایا کہ تجھے اس گستاخی کے سبب جہنم رسید کیا جائے گا۔ جب مشرکین مکہ کو آنحضرت ﷺ کی دعوت حق کے مقابلے کی سکت نہ رہی تو خفیہ پلاننگ شروع کر دی۔ انکی ”بند کمرہ مینگ“ کا بھی بنیادی نکتہ اعتراض آپ کی بشریت پر ہی تھا:

﴿وَأَسْرُوا الْجَنُودِ..... إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾

”اور چپ کر کرکشی کی بے انصافوں نے کہ یہ شخص تو محض ایک آدمی ہی ہے۔“

یہود نے مشرکین نے آنحضرت ﷺ کے ذریعے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں کل جواب دوں گا لیکن انشاء اللہ کہنا بھول گئے (اور بھول بشریت کا خاصہ ہے) لہذا چند روز



سلسلہ وحی منقطع رہا اور مشرکین نے طرح طرح کی چہ گونیاں شروع کر دیں پھر آپ ﷺ کو ارشاد ہوا کہ مشرکین کو یوں جواب دیجئے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾

”آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں بھی ایک بشر ہوں جیسے تم ہو۔“

یعنی مجھ میں بھی تمام لوازمات بشریہ پائے جاتے ہیں جیسے تم میں ہیں ہاں میرا اور تمہارا فرق یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل کی جاتی ہے جس کی بدولت میرا مقام و مرتبہ بہت بلند ہو گیا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ یہود بھی سب سابقہ کی پیشگوئی کے مطابق آپ ﷺ کو بشری مانتے تھے مگر آج ہمارے عقول پر ”نورانی پردہ“ پڑ چکا ہے۔

قرآن پاک نے گھچلی قوموں کی حکایتیں دہرا دہرا کر نقل کی ہیں کہ ان کے نزدیک بشریت رسالت و نبوت کے منافی تھی اور ہر دور کے مشرکین بار بار یہی سوال اپنے انبیاء کرام علیہم السلام سے کرتے رہے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ گھچلی قوموں پر آنے والے عذاب کی وجہ یوں بیان فرما رہے ہیں:

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَكْفُرُوا وَتَوَلَّوْا﴾

”یہ (عذاب) اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی ہوئی نشانیاں لیکر آئے تو یہ کہنے لگے کہ کیا ہماری ہدایت ایک بشر کریگا سوانہوں نے اس سے انکار کیا اور وگردان رہے۔“

معلوم ہوا کہ نزول قرآن سے قبل جتنی کافر قومیں گزری ہیں ان سب نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت کا انکار کیا ہے قرآن کی رو سے چند انبیاء کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم آپ کو بشر ہونے کی وجہ سے رسول ماننے پر تیار

نہیں تھے:

﴿مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾

”تم اور کیا ہو سوائے اس کے کہ ہماری طرح ایک بشر ہی ہو۔“

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم بھی اسی بے ادبی سے اپنے نبی سے مخاطب ہے:

﴿وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾

”اور تم ہم جیسے ایک بشری تو ہو۔“

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کو کھانے پینے اور بازار میں چلنے پھرنے والے گوشت پوست کے انسان کا نبی ہونا گراں معلوم ہو رہا ہے:

﴿هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ﴾

”اور کچھ نہیں یہ تو بس ایک آدمی ہے جیسے تم۔ جس طرح تم کھاتے پیتے ہو اسی طرح یہ بھی کھاتا پیتا ہے۔“

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بشر کے نبی ہونے کی انکاری ہے اور متمنی ہے کہ ملائکہ (نوری مخلوق) کو نبی بنا کر بھیجا جائے تو ہم مانیں گے:

﴿هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً﴾

”یہ شخص تو بس تم جیسا ایک بشری ہے چاہتا ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے اور اگر اللہ چاہتا تو ہم پر ملائکہ نازل فرمادیتا۔“

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا بشر ہونا ہی قوم فرعون کے قبول حق میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی:

﴿فَقَالُوا أَأَتُونُ مِنْ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾

”پس دو بولے کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں۔“



الغرض نوح علیہ السلام سے لیکر آنحضرت ﷺ تک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت کا انکار کافروں اور مشرکوں کا مشترکہ فعل رہا ہے تمام قوموں نے اسی تکذیب و انکار، تمسخر و استہزاء کا اعادہ کیا اور اپنے انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ پوچھتے رہے کہ ایک بشر کو کیونکر ہادی و رہنما بنا کر بھیجا جاسکتا ہے.....؟ کلام پاک میں بے شمار برگزیدہ انبیاء کرام کے ذکر کے بعد ان کے امتیوں کی طرف سے ہونے والے اعتراض کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿قَالُوا إِنَّا نُحِبُّكَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾<sup>1</sup>

”پس وہ کہنے لگے تم کیا ہو سوائے اس کے کہ ہم ہی جیسے انسان تو ہو۔“

اس بے مقصد اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے علی الاعلان کہلوایا کہ بشر ہونا کوئی عار و عیب کی چیز نہیں، جس سے تم گھبرارہے ہو:

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنَّا نَحْنُ الْإِبْرَهِيمُ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُخَيِّرُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾<sup>2</sup>

”اور انہیں ان کے رسولوں نے جواب دیا ہم تو بس آدمی ہیں جیسے تم ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔“

جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے بشر ہونے کو خلاف عقل سمجھتے ہیں اللہ انہیں تنبیہ کرتا ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان ہی کو مامور کرنے میں تعجب نہ کیا جائے:

﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾<sup>3</sup>

”کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد پر وحی بھیجی ہے۔“

ایک اور مقام پر تاکید سے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی حماقت سے اپنے ہی خاندان اور اپنی ہی جنس کے ایک آدمی کو رسول بنائے جانے پر بجائے فخر کے حیران و پریشان کیوں ہیں.....؟

﴿بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ﴾<sup>1</sup>

”بلکہ یہ تعجب میں پڑے ہیں کہ ڈر سنانے والا (رسول) انہی میں سے کیونکر آیا۔“

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے مخاطب ہے کہ اے ناقدر انسانو.....! تمہیں اللہ تعالیٰ کے وقار اور جلالت شان کا لحاظ اور خوف بھی نہیں کہ ایک طے شدہ بات میں بھی بلاوجہ جھگڑ رہے ہو:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ أَذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ﴾<sup>2</sup>

”اور انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جو اسکے پہچانے کا حق تھا جب یہ کہنے لگے کہ

اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری۔“

معلوم ہوا کہ اللہ کی معرفت کا ذریعہ بھی یہی ہے کہ انبیاء کرام کو بشر تسلیم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہوتے وقت آدمی کلمہ طیبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے بندے اور رسول ہونے کی گواہی بھی دیتا ہے ورنہ اس کا ایمان ہی کامل نہ ہوگا۔

تصویر کا دوسرا رخ:

یہاں تک تو قرآن پاک کی رو سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور خاص کر آنحضرت ﷺ کے بشر ہونے کی تحقیق ہوئی اب ذرا دوسرا رخ بھی دیکھئے۔ بعض



لوگوں کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ خدا کے ”نور“ میں سے ہیں جو لباس بشریت میں جلوہ گر ہوئے:

خدا کہتے ہیں جسکو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے  
جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے

اور بعض نا سمجھ افراد تو دو باتھ آگے بڑھ کر بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ ”احمد“ اور ”احمد“ میں صرف میم کا پردہ ہے ورنہ نبی خود خدا ہے جو میم کا برقعہ اوڑھ کر مدینہ کی گلیوں میں آیا ہے:

وہی جو مستوئی عرش تھا خدا ہو کر  
اتر آیا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”نُورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰهِ“ (اللہ کے نور کا ٹکڑا) کہنا یہ ہو بہو ہی عقیدہ ہے جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے ہیں جبکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو پہلے کافر قرار دیا پھر ان کا باطل عقیدہ نقل فرمایا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ

”تحقیق وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ عیسیٰ بن مریم میں حلول کر گیا ہے۔“

خدا اور بندہ خدا کو ایک کہنا، خالق و مخلوق، عابد و معبود، مالک و مملوک کو خلط ملط کر دینا اس سے زیادہ یہود اور لغو بات اور کیا ہوگی۔۔۔۔۔؟ یہ ہرگز محبت کا مفہوم نہیں بلکہ سراسر غلو ہے اور غلو اگرچہ دین میں ہو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیم ہر عمل میں میانہ روی کی ہے۔ ”عشق

رسول ﷺ کے عنوان سے اس قدر غلو کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے مرتبے میں کوئی تمیز باقی نہ رہے شریعت اسلامی میں اس کی بالکل اجازت نہیں۔ فریقِ ثانی سے سوال یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ خود خدا تھے اور میم کا برقعہ اوڑھے مدینے کی گلیوں میں گھومتے تھے تو معراج کس کو ہوا یا یہ افسانہ ہے۔۔۔۔۔؟ اسی طرح حضور ﷺ کے نکاح بھی ہوئے اولادیں بھی!! کیا خدا کی بھی کوئی اولاد یا رشتہ دار ہے۔۔۔۔۔؟ آپ ﷺ کا نسب نامہ صحیح روایات سے اکیس پشتوں تک انسانوں میں ثابت ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کو بخار و درد، خوشی و غمی ہر طرح کے احوال سے واسطہ پڑا اور اس سے آپ پر کوئی طعن و عیب نہیں بلکہ قرآن پاک کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ غم و حزن، صدمہ و ملال، ناگواری و خوشگواوری، مسرت و انبساط جس طرح ہر فرد بشر کی زندگی کا لازمی جز ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ان سے مار و نمیں بلکہ ان میں وہ عام انسانوں کے شریک اور انہی کے مثل و مماثل نظر آتے ہیں البتہ درجات کا فرق اپنی جگہ ہے۔ بہر حال یہ لوگ اپنی کورنہی سے پہلے تو اللہ کی تجسیم (صاحبِ جسم ہونا) کے قائل ہوئے پھر غلو بذاتِ خدا کے ٹکڑے بنائے پھر ان ٹکڑوں میں نبی ﷺ کو لے آئے پھر خدا کو برقعہ اوڑھوایا۔ کم از کم اہل ایمان سے اس قسم کے باطل و فرسودہ عقائد رکھنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ شریعت اسلامیہ سادہ اور عام فہم ہے جس میں ناقابلِ فہم، خلاف عقل اور غیر منطقی و باطل عقائد کی کوئی گنجائش نہیں۔

پیغمبر کون ہوتے ہیں۔۔۔۔۔؟

اللہ پاک اپنے کلام میں ایک اصول و ضابطہ بتلاتے ہیں کہ ہر دور اور ہر علاقے میں جو پیغمبر بھیجے گئے ہیں اول تو وہ بشر تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ مرد تھے۔ گویا کسی نبی کی



نبوت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بہ یک وقت بشر اور رسول تسلیم کیا جائے اور یہی بات مانجھوں کے لئے ہمیشہ معذہ بنی رہی ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِن كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ 1

”اور آپ (ﷺ) سے پہلے بھی ہم نے یہی مردِ پیغمبر بنا کر بھیجے تھے جن کی طرف وہی بھیجتے تھے اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔“

یعنی اپنے سے پہلی آسمانی کتب والوں سے پوچھ لو کہ ان کے پیغمبر بشر تھے یا کچھ اور.....؟ اگر وہ بھی بشر تھے، جیسا کہ ثابت ہے تو پھر ضد بیکار ہے۔

آنحضرت ﷺ کو نور ماننے کا نقصان:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی پیغمبر اپنی صداقت کے نشان دکھانے میں پبلک کی خواہشات کا پابند نہیں ہوتا اور نہ ہی خود کو ضروریات بشریہ اور تعلقات معاشرت سے پاک اور برتر ظاہر کرتا ہے لہذا ان چیزوں کا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میں پایا جانا باعث حیرت کیوں ہے؟

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ 2

”اور تحقیق آپ (ﷺ) سے پہلے ہم کتنے ہی رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا اور کسی رسول کیلئے ممکن نہیں کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لے آئے۔“

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو نور ماننے سے آپ کے خاندان و قبیلہ کا انکار لازم آتا ہے۔

مشرکین کے دُعم میں بشریت و پیغمبریت کا اجتماع ناممکن ہے یہ دعویٰ ہمارا خانہ ساز نہیں بلکہ اللہ جل جلالہ نے نقل فرمایا ہے کہ یہ لوگ بشر کو پیغمبر اسلام کے روپ میں

دیکھنے کے قطعاً روادار نہ تھے:

﴿وَمَا مَنَعَهُ النَّاسُ أَنْ.....أَبْعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا﴾ 1

”اور جس وقت لوگوں کے پاس ہدایت آئی تو ان کے ایمان لانے سے صرف یہی ایک بات مانع ہوئی کہ انہوں نے کہا، کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔“

معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کے ایمان لانے میں ان کا یہی نظریہ رکاوٹ تھا کہ کسی بشر کو رسالت کیوں کر مل سکتی ہے.....؟

معراج کی جزئیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نوری مخلوق کا سردار، پیکر نور (حضرت جبریل علیہ السلام) آنحضرت ﷺ کا خادم ہو کر عرض گزار ہے کہ مجھے ایک قدم بھی آگے جانے کی اجازت نہیں لیکن بشرِ اعظم ﷺ کی پرواز سب سے بلند ہے۔ پھر اس واقعہ کو شروع بھی ”بندے“ سے کیا جا رہا ہے کہ کہیں لوگ یہاں بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں:

﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْزَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا﴾ 2

”پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات سیر کرائی۔“

جب سفر معراج کے منکرین نے فرمائش کی کہ آپ (ﷺ) ہمارے سامنے آسمان سے کتاب لے آئیں تو اللہ کی طرف سے سردارِ انبیاء ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ ان کے سامنے بر ملا اپنی بشریت کا اعلان کیجئے:

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾ 3

”آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ میرا اللہ پاک ہے میں تو

صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں۔“

ذرا غور کریں اگر حضراتِ انبیائے کرام بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو بشر کہنے میں



بے ادبی اور توہین کا ادنیٰ سا شائبہ بھی پایا جاتا تو اللہ تعالیٰ بھی آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم نہ دیتا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو پیشگی اطلاع فرمادی ہے کہ تاوقف لوگ بعد میں آپ کو ”نورۃ نور اللہ“ کہیں گے لہذا آپ ﷺ ابھی سے یہ بات کھول کر سمجھا دیں کہ میں تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہوں لیکن میری فضیلت و برتری کا معیار یہ ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے۔ لہذا لوگوں کا یہ نظریہ سو فیصد غلط ہے کہ اللہ کا رسول کوئی دیوتا یا الوہیت (خدائی) کا مالک ہوتا ہے۔

**بشریت انبیاء علیہم السلام عقل کی میزان میں:**

چونکہ زمین کی خلافت و نیابت انسان کے حوالے کی گئی ہے اس لیے حکمت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ انسانوں کی اصلاح اور رشد و ہدایت کے لئے انسان اور بشر ہی رسول بنایا جائے۔ کیونکہ یہ ایک فطری امر ہے کہ دوسروں کی بہ نسبت اپنے جانے پہچانے آدمی پر زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے اور یہ شخص بھی اپنی قوم کی پوری نفسیات سے واقف ہو سکی بنا پر اس کے جذبات و خیالات کی زیادہ رعایت رکھ سکتا ہے۔

اگر زمین پر ملائکہ بستے تو اللہ تعالیٰ نبی بھی انہی کی جنس سے بھیجتے لیکن یہاں تو انسان بستے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ سے پہلے نبیوں کو بھی انسانوں میں سے چنا ہے بغرض محال اگر لوگوں کی طفلانہ خواہش کے مطابق فرشتوں کو نبی بنا کر بھیج دیا جائے تو لوگ ان کی اصلی حالت دیکھنے کی تاب بھی نہ لائیں گے اور اگر وہ انسانی روپ میں آئے تو وہی پرانا اعتراض ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ اس صورت میں یہ خرابی بھی لازم آئے گی کہ وہ کھانے پینے اور شادی و اولاد وغیرہ سے پاک ہوں گے پھر اگر وہ روزے یا شادی وغیرہ کا حکم دیں تو امت کہے گی کہ خود تو کھانے سے پاک ہے ہمیں بھوکا مروانا ہے۔ اسے شادی کی

ضرورت نہیں اور ہمیں شادی بیاہ اور نکاح کا حکم دیتا ہے الغرض دین کی عملی صورت سامنے نہ آ سکے گی لیکن حضور ﷺ نے روزہ رکھ کر دکھلایا، شادیاں کر کے دکھلائیں۔ آپ ﷺ کو بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے حتیٰ کہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق بذات خود عمل کر کے دکھلایا اور آپ ﷺ ہی کی پیروی میں ہم کھانے پینے، سونے جاگنے، سلام و کلام، بیوی بچوں سے پیار، وضو، نماز اور روزے وغیرہ کی بے شمار سنتوں پر عمل کرتے ہیں اگر حضور ﷺ بشر و انسان نہیں تھے تو پھر یہ سنتیں کس نے سکھائی ہیں.....؟ ”اہلسنت“ ہونے کے دعویدار اس امر پر بھی دھیان دیں کہ یہ سنتیں کہاں سے آئیں، کس نے سکھائیں.....؟

### احادیث طیبہ اور عقیدہ نور و بشر

چونکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے بعد نبی کریم ﷺ کی احادیث کا مقام و مرتبہ ہے لہذا جب ہم ذخیرہ احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے واضح اور دو ٹوک الفاظ میں اپنی بشریت کو فخریہ طور پر بیان فرمایا ہے۔ بشری جذبات میں ایک جذبہ غصہ یا غضب کا بھی ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام گو بڑے حلیم اور نرم دل ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سرے سے ان میں قوت غضبی ہی نہیں ہوتی بلکہ دوسرے انسانوں کی طرح انہیں بھی غصہ آتا ہے البتہ بے جا اور خواہ مخواہ نہیں بلکہ اپنے محل پر ہی آتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”اللہم انما محمد بشر“ (اے اللہ! محمد ﷺ) بھی ایک بشر ہیں ان کو يغضب كما يغضب البشر“ بھی غصہ آتا ہے جس طرح اور انسانوں کو آتا ہے۔“



بشریت کے اہم ترین لوازم میں سے ایک یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں غیر فانی نہیں۔ دوسرے الفاظ میں بشریت، عبدیت اور مخلوقیت کا سب سے بڑا مظہر موت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ألا إيهما الناس فانما انا بشر“ اے لوگو! سنو! آپس میں بھی ایک انسان ہی یوشک ان یاسی رسول ربی ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد یہاں سے کوچ کا پیغام لے کر آئے تو میں فاجیب ہوں۔

جو امور طبعی طور پر بشر کے لئے لازمی ہیں خواہ جسمانی ہوں یا عقلی، انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ان سے کہیں بھی نفی نہیں کی گئی اگر پیغمبروں کو ان سے یکسر محفوظ بنایا جاتا تو لوگوں پر حجت قائم نہ ہوتی۔ بھول بھی بنی آدم کا خاصہ ہے جو ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام میں بھی پایا گیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے نماز میں کمی بیشی ہو گئی پھر آپ ﷺ نے سجدہ سہو کر کے ارشاد فرمایا:

”انما انا بشر مثلكم انسى“ میں بھی تم جیسا ایک انسان ہی ہوں میں کما تنسون فاذا نسيت جاتے ہو پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے فاذكرونی ہے۔ یاد دلادیا کرو۔

گزشتہ رسولوں کے دور میں ان کی امتوں نے ان رسولوں کی حیثیت بڑھا چڑھا کر خدا کے برابر کر دی تھی اسی لیے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو پہلا کلمہ

ہی وہ پڑھایا گیا ہے جس میں مسلمانوں کو باور کرا دیا کہ حضرت محمد ﷺ صرف اور صرف اللہ کے رسول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے غلو اور حد سے تجاوز کرنے کے اندیشے کے پیش نظر اپنی امت کو یہ تعلیم فرمائی:

”میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہ انہیں عبدیت سے نکال کر خدا اور اس کا بیٹا بنا ڈالا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔“

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”حضور ﷺ اپنے گھر میں اسی طرح کام کیا کرتے تھے جس طرح تم اپنے گھر میں کام کرتے ہو۔ اپنی جوتیاں خود ہی لیتے، کپڑے خود دھو لیتے اور اپنی خدمت آپ کیا کرتے تھے اور فرمایا کہ حضور ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی ہی تھے۔“

واضح ہوا کہ آپ ﷺ کو بشر کہنا آپ کی تعظیم جبکہ آپ ﷺ کی بشریت کو حقارت سے دیکھنا آپ ﷺ کی توہین ہے۔

جوتی سینا، کپڑے دھونا یہ انسان کے کام ہیں یا کسی اور کے؟ اور پھر یہ اتنا دخیالی کیسی کہ ایک طرف تو آپ کے نور ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسری طرف ”میلا دشریف“ بھی منائی جا رہی ہے کیا کسی کو کسی نوری مخلوق کی ولادت کا علم بھی ہے؟ کوئی بتلا سکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام کی ولادت کب ہوئی؟

فقہائے احناف اور عقیدہ نور و بشر

فقہائے کرام و محتاط طبقہ ہے جو جناب رسول کریم ﷺ کی ادنیٰ سے ادنیٰ توہین



کو بھی صریح الفاظ میں کفر کہتا ہے۔ مگر وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو واضح الفاظ میں انسان اور بشر تسلیم کرتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بشر کی تین قسمیں ہیں خواص جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، درمیانے قسم کے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عوام جس طرح دیگر لوگ۔

اہلسنت والجماعت کے عقائد کی مشہور کتاب میں رسول کی تعریف اس طرح ہے:  
”انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی“ ”رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے احکامات بندوں تک پہنچانے کے لئے بھیجتا ہے۔“

فقہ حنفی کی معروف کتاب میں ہے:

”جو شخص یوں کہے کہ میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ انسان تھے یا جن، وہ مسلمان نہیں کیونکہ آپ ﷺ کے بشر ہونے کا اقرار و عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے جس کا معلوم کرنا ضروری ہے آپ ﷺ کی بشریت سے انکار اسلام سے انکار کے مترادف ہے۔“

خلاصہ کلام:

آنحضرت ﷺ اپنے کمالات و خصوصیات میں تمام کائنات سے اعلیٰ و اشرف اور یکتا ہیں آپ کا کوئی ہم مثل اور ثانی نہیں مگر آپ ﷺ بہر حال انسان اور بشر ہیں اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ بشریت کوئی عار و عیب کی چیز نہیں جس کی نسبت

آنحضرت ﷺ کی طرف کرنا بے ادبی شمار ہو یا آپ کے فضائل و محاسن کے انکار کا احتمال ہو ورنہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس گستاخی، توہین اور بے ادبی کا ہرگز ارتکاب نہ کرتے اور پھر ”اشرف المخلوقات“ کا معزز رتبہ بشر و انسان ہی کو ملا ہے لہذا بشریت آپ ﷺ کا کمال ہے البتہ حضور اقدس ﷺ ”ہادی راہ ہدایت“ ہونے کی حیثیت سے سراپا نور ہیں کہ آپ کو نور نبوت عطا کیا گیا ہے جس کی بدولت دنیائے ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی۔ نور اور بشر میں کوئی ایسی منافات نہیں کہ ایک کا اثبات کر کے دوسرے کی نفی کی جائے بلکہ ایسا کرنا سراسر گمراہی ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس مقام کو رسول اللہ ﷺ نے فخر و فضیلت بتلایا اور علی الاعلان فرمایا کہ میں بشر اور اولاد آدم کا سردار ہوں اور کلام پاک بھی جا بجا آپ ﷺ کی بشریت کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے آج محبت کے عنوان سے آپ ﷺ کو نور ثابت کر کے اس اعلیٰ و ارفع مقام بشریت سے نیچے لایا جا رہا ہے۔ حالانکہ بشریت کو رسالت کے قابل نہ سمجھنا ایک طرح سے خود انسانیت کی بھی توہین ہے۔ نیز آپ ﷺ کو بشر نہ ماننے سے کفار سے مشابہت اور آپ کے خاندان و قبیلے کا انکار لازم آتا ہے۔



علم غیب کا مفہوم:

کسی ذات کے عالم الغیب ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کے علم اور اس کی نگاہ سے کسی وقت بھی مخفی اور اوجھل نہ ہو۔ اور اس کے لئے دولا زمی شرائط ہیں۔ ① وہ علم ذاتی ہو کسی دوسرے کا دیا ہوا نہ ہو۔ ② تمام کائنات کے ماضی، حال اور مستقبل کا علم محیط ہو۔

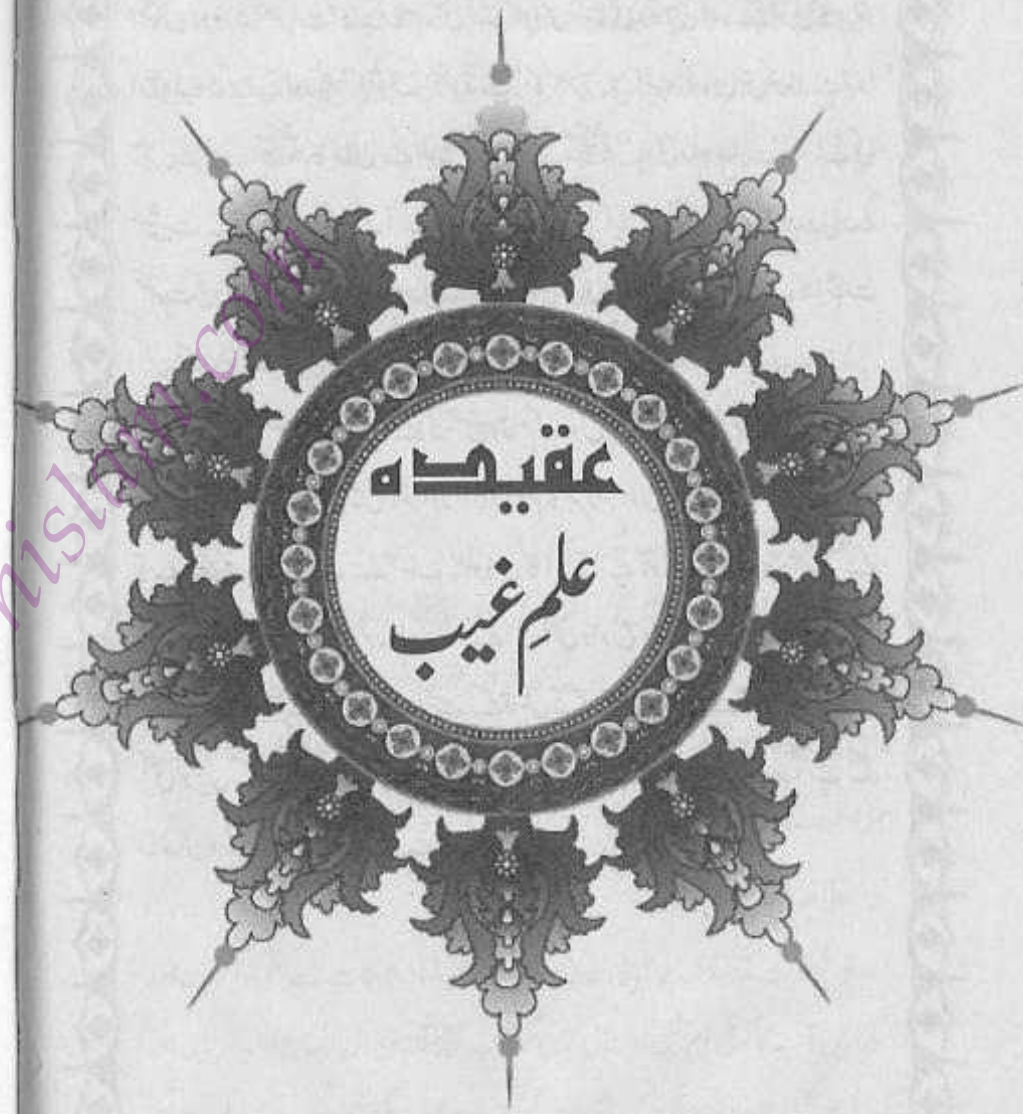
یہ صفت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود ہے باقی تمام مخلوق میں کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ فرد خواہ نبی ہو یا ولی، اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح اس صفت میں بھی کسی حیثیت سے اس کا شریک و سہیم نہیں۔ قدرت کامل کی طرح علم کامل بھی خاصہ خداوندی ہے لہذا اللہ کے علاوہ نہ کسی کو علم غیب ہے اور نہ کئی علم۔ کلام پاک میں یہ بات بہت صراحت کے ساتھ مذکور ہے:

﴿أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ﴾

”خوب آگاہ رہو اللہ کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے علوم مبارکہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو وہ علوم عطا کیے ہیں جو کسی مقدس نبی اور مقرب فرشتے کو بھی عطا نہیں کیے بلکہ تمام اولین و آخرین کے علوم مل کر آنحضرت ﷺ کے دریائے علم کا ایک قطرہ بھی نہیں بن سکتے۔ حق تعالیٰ کی ذات و صفات، گزشتہ و آئندہ کے بے شمار واقعات، قبر و برزخ کے حالات، میدان





محشر کے نقشے، جنت و جہنم کی کیفیات، علوم شرعیہ، اسرار و حکمتیں، آسمان و زمین کے عجائبات، نیکو کاروں اور بد بختوں کے احوال، الغرض وہ تمام علوم جو آپ ﷺ کی ذات اقدس کے شایان شان تھے آپ کو بطور معجزہ عطا کیے گئے۔ آپ کے علوم مبارکہ کی وسعت کا اندازہ کسی انسان، جن یا فرشتے کو نہیں یہ تو صرف علوم عطا کرنے والے (اللہ تعالیٰ) اور لینے والے (آنحضرت ﷺ) کو معلوم ہے۔

ایسا جامع اور کامل علم مخلوق الہی میں نہ کسی کو ملا ہے اور نہ ہی ملے گا لیکن جس طرح ساری کائنات کے علوم کو آنحضرت ﷺ کے علوم مقدسہ سے کوئی نسبت نہیں بالکل یہی حقیقت آپ ﷺ کے علوم کی حق تعالیٰ شانہ کے علم کے مقابلے میں ہے کہ ہر جگہ ہر وقت غیب کا علم آپ ﷺ کو بھی نہیں دیا گیا کیونکہ بندہ دانا ترین ہو کر بھی بہر حال بندہ ہے اس کا علم، علم الہی تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

حضور ﷺ کو نہ علم غیب تھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں کبھی اس کا دعویٰ کیا کیونکہ منصب نبوت کے لئے علم غیب اور باطنی امور پر مطلع ہونا ضروری نہیں۔ کئی باتیں اس دنیا میں ایسی بھی تھیں جن کا علم اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کو آخری عمر تک نہیں دیا گیا اور اس میں کوئی تنقیص کا پہلو نہیں البتہ قبر و محشر، جنت و جہنم وغیرہ کی خبریں نبوت و رسالت کی نشانیاں اور آپ ﷺ کے معجزات میں شامل ہیں سو وہ دیدی گئیں۔ دوسرے مذاہب کا اوتار یا الوہیت کے مظہروں سے متعلق خواہ کچھ بھی عقیدہ ہو، اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبر کا علم بھی محدود ہوتا ہے گو اس کا دائرہ عام بشری علوم سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے بہر حال اس کی ایک حد ضرور ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝۱﴾

”ہر علم والے سے اوپر ایک علم رکھنے والا ہے۔“

قرآن کی رو سے غیب دان کون ہے.....؟

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ تمام زمانے ماضی، حال اور مستقبل اس کے سامنے برابر ہیں:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝۲﴾

”کیا وہ نہ جانتے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین پوری طرح خبردار ہے۔“  
آسمان و زمین میں رہنے والا کوئی فرد علم غیب کا حامل نہیں یہ خدائی فیصلہ ہے:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۝۳﴾

”آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کوئی بھی

آسمانوں اور زمین میں ہے غیب کی خبر نہیں رکھتا۔“

عظیم مفسر حافظ ابن کثیرؒ مذکورہ آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تعلیم فرمائی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے مسئلہ کھول کر واضح کر دیں کہ علم غیب ذات خداوندی کے ساتھ خاص ہے جس میں کوئی فرشتہ جن و انس یا نبی و رسول اس کا ساجھی نہیں“ علم خداوندی تمام کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے مخلوقات میں سے کوئی بھی اگر کچھ علم رکھتا ہے تو وہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے کیونکہ اللہ جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے اپنے رسولوں اور مقبول بندوں کو عطا فرما دیتا ہے البتہ



اس علم کی مقدار اتنی نہیں کہ وہ اللہ کے علم کا احاطہ کر سکے:

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفَهُمْ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾<sup>1</sup>

”اللہ سب کے اگلے اور پچھلے تمام حالات سے آگاہ ہے۔ اور سارے انسان مل کر بھی اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ بجز اسے علم کے جو اللہ کسی کو عطا کرنا چاہے۔“

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر بھی اس طرح آگاہ نہیں ہو سکتی جیسا کہ اس کا حق ہے بلکہ اپنی ذات اور صفات کے بارے میں باری تعالیٰ نے جتنا بتلادیا ہے اتنی ہی مقدار میں واقف ہو سکتی ہے۔

پوری امت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا سلفاً خلفاً یہی عقیدہ رہا ہے کہ جو کچھ مخلوق کے علم سے غائب ہے یا جو ان کے علم و مشاہدہ میں موجود ہے، جو ہو چکا یا جو آئندہ ہوگا اس کا علم اللہ ہی کو زیبا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں ”عالم الغیب“ کی اصطلاح کو اللہ نے صرف اور صرف اپنے لیے ہی استعمال فرمایا ہے:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾<sup>2</sup>

”اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی ہندگی کے لائق نہیں۔ جو کچھ ظاہر ہے

اور جو پوشیدہ ہے وہ سب کی خبر رکھتا ہے۔“

مشرکین نے یہ عقیدہ قائم کر رکھا تھا کہ انبیاء علیہم السلام غیب دان اور متصرف فی الامور ہوتے ہیں اسی بنا پر وہ ان سے فرامشی معجزات طلب کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی زبانی ان کے اس غلط خیال کی تردید فرماتے ہیں:

1—سورہ بقرہ آیت 255

2—تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 231

3—سورہ حشر آیت 22

﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ﴾

”سو آپ ﷺ فرما دیجیے کہ غیب کی خبر تو صرف اللہ ہی کو ہے۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم کی شان اور احاطہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾<sup>3</sup>

”تحقیق اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں سے واقف ہے بیشک وہ سینے

کی باتوں تک کو جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا لامحدود علم تمام موجودات کو گھیرے ہوئے ہے خواہ کسی کو کچھ دکھائی دے یا نہ دے مگر اللہ سے کچھ مخفی نہیں، قدرت کے سارے انتظامات اسی ہمدواں و ہمہ میں ذات کے ایک خاص نظام کے ماتحت انجام پاتے ہیں:

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكِتَابُ الْمُبْتَلِ﴾<sup>4</sup>

”اور ہر چیز کا اللہ کے یہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔ وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا علم رکھنے

والا، بڑا بلند مرتبہ ہے۔“

ہر جگہ، ہر گھڑی اور ہمیشہ ہر کسی کے بتلائے غیب کا علم صرف رب کائنات ہی کو ہے:

﴿وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ..... يُذَاتِ الصُّدُورِ﴾

”تم خواہ چپکے سے بات کرو یا اونچی آواز سے، وہ تو دلوں کا حال تک جانتا ہے۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے کامل علم کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

1—سورہ فاطر آیت 38

2—سورہ بونس آیت 20

3—سورہ ملک آیت 13

4—سورہ زمر آیت 9



وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الصُّدُورِ ۝۱۶

”اور تمام غیب کی باتوں کے خزانے اللہ ہی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور خشکی و ترسی میں جو کچھ ہے اللہ اس سے خوب واقف ہے۔“

”غیب کی باتوں کے خزانے“ اللہ کے پاس ہونے سے مراد اس کی ملکیت اور قبضہ میں ہونا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ غیب کے خزانوں کا علم بھی اللہ کے قبضے میں ہے اور ان کو ظہور میں لانا بھی اسی کی قدرت میں ہے۔ کیونکہ اہتمام کے ساتھ فرمایا کہ نہ صرف غیب کے خزانے بلکہ انکی چابیاں بھی ہمارے قبضہ قدرت میں ہیں۔ ورنہ دنیا میں تو ایسا ہوتا ہے کہ خزانے کی چابی مالک کے مشیر وغیرہ کے پاس رہتی ہے مگر اللہ نے یہاں ہر قسم کی تاویل کے دروازے بند فرمادیئے لہذا یہ عقیدہ دین میں اتنا ضروری، واضح اور قطعی ہے کہ علامہ زجاج اس کی مخالفت کے مرتکب کو منکر قرآن گردانتے ہیں۔ جی اب دیکھنا یہ ہے کہ ”غیب کی باتوں کے خزانے“ سے کیا مراد ہے.....؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”غیب کے خزانے سے مراد پانچ چیزیں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“ ۱۔

چنانچہ کلام پاک میں اس کی تشریح یوں بیان کی گئی ہے:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ أَنْفُسُ يَأْتِي أَرْضَ تَمُوتُ ۝۴

”بیشک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتا رتا ہے برسات اور جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے اسے جانتا ہے اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔“

ہاں البتہ ان میں سے بعض جزئیات کا علم اللہ کے بتلانے سے انبیاء کرام علیہم السلام کو بطور معجزہ اور بعض اولیاء کرام کو بطور کرامت ہو جاتا ہے مگر یہ صرف معدود سے چند جزئیات ہوتی ہیں اور بس۔ کلی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا علم نہ تو کسی مقرب فرشتے کو ہے اور نہ جناب نبی کریم ﷺ کو، پس جو کوئی ان میں سے کسی چیز کے علم کا دعویٰ کرے تو اس نے قرآن کریم کی مذکورہ آیت کا انکار اور اس کی مخالفت کی ہے۔“ ۱۔

ایک حکایت ایک سبق:

مفسرین کرام نے اس آیت کے تحت ایک حکایت نقل کی ہے کہ خلیفہ منصور کو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو اس نے پوچھا کہ میری عمر کے کتنے ایام باقی ہیں.....؟ جواب میں پانچ انگلیوں سے اشارہ ملا۔ بیدار ہونے پر امراء سلطنت سے تعبیر پوچھی۔ سب نے اپنے اپنے خیالات کے مطابق مختلف تعبیریں دیں۔ لیکن جب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ سورہ لقمان کی مذکورہ آیت کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی رو سے موت ان پانچ اشیاء میں داخل ہے جن کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ ۲۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار آپ کے جواب کی روشنی میں بخوبی اپنے مسلک کا تعین کر سکتے ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ مذکورہ پانچ چیزیں تو اللہ کے ساتھ خاص ہیں البتہ اس کے علاوہ کا علم سب کو ہے۔ تعلیمات نبویہ ﷺ، طرز



صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہ حنفی کو پس پشت ڈالتے ہوئے مذکورہ آیت کی باطل تاویلات کرنا، اس میں فاسد خیالات کو داخل کرنا اور پیرومیدی کے قصہ گھر کر اس کے بالکل برعکس عقیدہ ایجاد کرنا تحریف قرآن کے ذمے میں آتا ہے۔ لہذا کسی نا سمجھ کا یہ دعویٰ کہ ”حضور ﷺ کو علم تو تھا پر بتلایا نہیں“ سراسر مردود ہے۔ یہ اعتراف عظمت نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات پر بہتان اور انتہا درجے کی جسارت و گمراہی ہے۔ اس سے نعوذ باللہ آپ ﷺ کی طرف خیانت کی نسبت لازم آئے گی۔ علم سے نا آشنا بعض افراد یوں بھی کہتے ہیں کہ ”آپ ﷺ کو ان کا علم تو تھا مگر اسے چھپانے کی بھی تاکید کی گئی تھی“۔ ایک اور منچلے نے تو انتہائی کر ڈالی کہ ”آپ ﷺ کو آخری وقت میں ان امور کی خبر دیدی گئی تھی سو آپ ﷺ نے جسے چاہا، جتنا چاہا عطا کر دیا“۔ سچ پوچھیے تو فریق ثانی آج تک اپنے دو لوک موقف کی وضاحت بھی نہیں کر سکا ہے۔ باقی ادھر ادھر کی باتیں بنانے یا بات سے بات نکالنے سے عقیدہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ کہہ دینے کا نام دلیل اور ثبوت ہرگز نہیں ہوتا۔

**قیامت واقع ہونے کا علم:**

فخر المفسرین امام رازیؒ فرماتے ہیں ایک ہے قیامت کا نفس وقوع اور ایک ہے وقت وقوع، پس پہلا آنحضرت ﷺ کو حاصل ہے اور وہ نبوت کے اہم مقصد ڈرانے اور سمجھانے کے لئے کافی ہے اور دوسرے کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں اور آنحضرت ﷺ کے نزدیک زمین ہونے کے لیے اس کی ضرورت بھی نہیں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ ۖ ذَكَرْنَا إِلَيْكَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

”آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ اس گھڑی کا قیام کب ہوگا آپ کو اس کے ذکر سے کیا کام۔ اس کی انتہا تو آپ کے رب کے پاس ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے حکمت کے طور پر پچھلی آسمانی کتابوں میں بھی قیامت کے واقع ہونے کے علم کو مخفی رکھا تھا اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی اس کو مخفی رکھا گیا ہے مگر پھر بھی مشرکین مکہ ازراہ شرارت، یہود بطور امتحان اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محض اپنی تسلی کے لئے جناب نبی کریم ﷺ سے قیامت کی متعین تاریخ کے بارے میں اکثر سوال کیا کرتے تھے:

﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ تَكُونُ قَرِيبًا ۚ

”لوگ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ اس کا متعین علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ قیامت کی گھڑی قریب ہی ہو۔“

آنحضرت ﷺ سے زندگی کے آخری لمحات تک بار بار یہی سوال ہوتا رہا جس کا جواب قرآن مجید میں مختلف پیرائے سے دیا جاتا رہا اور یہ واضح ہے کہ کئی و مدنی زندگی کے دونوں ادوار میں آخر وقت تک وقوع قیامت کا علم آپ ﷺ کو نہیں دیا گیا۔

حدیث جبرئیل علیہ السلام اساس دین کی حامل ہونے کی وجہ سے ”ام الاحادیث“ کہلاتی ہے جو صحاح ستہ کی تمام کتب میں مذکورہ ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک اعرابی کی صورت میں آ کر ایمان و اسلام اور احسان کے متعلق سوالات کرتے ہیں پھر



آخر میں وقوع قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

ما المَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنْ "جس سے سوال کیا جا رہا ہے اس کو سائل

السائل ۱۔ سے زیادہ علم نہیں۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کے آخری دور کا تھا۔" لہذا اس قول کی رو سے یہ عقیدہ رکھنا جزا ایمان ہے کہ قیامت قائم ہونے کا ٹھیک وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے زندگی کے آخری ایام میں نکلنے والے الفاظ اس بات کا واضح اعلان ہیں کہ قیامت کا علم نہ مجھے ہے نہ جبرئیل علیہ السلام کو اور یہی حال تا قیامت اس موضوع پر سوال و جواب کرنے والوں کا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے صرف ایک ماہ قبل آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا "تم لوگ مجھ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہو حالانکہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔" حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حدیث جبرئیل علیہ السلام کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"جب حضرت جبرئیل اعرابی کی صورت میں آئے تو آنحضرت ﷺ ان کو پہچان نہ سکے۔"

1۔ بخاری شریف جلد 1 صفحہ 18، ترمذی شریف جلد 1 صفحہ 95، مشکوٰۃ جلد 1 صفحہ 11

2۔ فتح الباری صفحہ 62، عمدة القاری صفحہ 296

3۔ مسلم شریف صفحہ 310، مشکوٰۃ صفحہ 480، درمنثور صفحہ 150

4۔ کنز العمال صفحہ 69

حلیہ اور شکل بدل لینے سے علم نہیں بدل جاتا معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب نہ تھے ورنہ بارہا وحی لانے والے فرشتے کو ضرور پہچان لیتے۔ جب نبی و رسول غیب کا علم نہیں رکھتے تو پیر، فقیر، درویش علم غیب سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں.....؟ تصویر کا دوسرا رخ:

بعض افراد پیدائشی طور پر احساس کستری کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ محفل کو زعفران زار بنانے اور سستی شہرت کے حصول کی خاطر دین کو تختہ مشق بنانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں انبیاء کرام علیہم السلام تمام حالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ پیر فقیر حضرات بھی تو اپنے مزاروں پر بیٹھنے والے پرندوں کی جنس تک سے واقف ہوتے ہیں یہ ہے دعویٰ اور اسکی دلیل، جس سے آپ ذہنی مسکینی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ انسانوں میں سب سے برگزیدہ بندے اللہ کے رسول اور پیغمبر ہوتے ہیں جنہیں غیب کا علم وحی کے ذریعے دیا جاتا تھا اب چونکہ وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے لہذا اب اگر کوئی انسان علم غیب کا دعویٰ کرے تو وہ شیطان کا پیروکار ہے۔

بعض پڑھے لکھے جاہل لوگ نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ کو ﴿جَمِيعُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ﴾ "روزِ اوّل سے آخر تک کے وہ تمام حالات و واقعات جو ہو چکے، ہو رہے ہیں یا آئندہ ہونگے" کا علم ہے۔ خواہ مخواہ کی باتیں بنانے کا اس دنیا میں کوئی علاج نہیں۔ یہ نمائشی اور بے حقیقت اصطلاحات سادہ لوح عوام پر تو شاید اثر انداز ہوں لیکن عقائد کی بات ہمیشہ دلائل کی بنیاد پر تسلیم کی جاتی ہے۔



اللہ تعالیٰ بلا فرق و امتیاز تمام انبیاء کرام سے میدان محشر میں سوال فرمائے گا:

﴿يَوْمَ يُجْزَى اللَّهُ..... إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ 1

”جس روز اللہ تمام پیغمبروں کو جمع کر کے کہے گا کہ تمہیں (اپنی امتوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں تو ہی چھپی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔“

اس آیت میں اللہ کے سامنے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا بیان ہے کہ ہمیں غیب کی خبر نہیں ہم تو ظاہری اقوال و اعمال کو جانتے تھے، باطن کا علم تو صرف تجھی کو ہو سکتا ہے یعنی بنی آدم کے جملہ ظاہری و باطنی احوال علم غیب میں داخل ہیں اور اس کا علم اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں اور نہ ہی قیامت تک ہوگا کیونکہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا یہ بیان قیام قیامت کے بعد ہوگا۔ اب جن احباب کا اصرار آ نحضرت ﷺ کو عالم الغیب ماننے پر ہے تو کیا وہ اپنے اس دعویٰ بے بنیاد کی بنا پر آپ ﷺ کو انبیاء و رسل علیہم السلام کی فہرست سے نکالنے کی مذموم جسارت کر سکتے ہیں.....؟ انبیاء جب حیات تھے تو غیب نہیں جانتے تھے وفات کے بعد بھلا کیسے جاننے لگے.....؟

اسی طرح آپ پورا کلام پاک پڑھتے چلے جائیں کوئی ایک بھی ایسی آیت نظر سے نہیں گزرے گی جس میں علم غیب کو اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ بلکہ جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ اس میں متفرد و یکتا ہے اس جہاں کے بعد بھی وہی عالم الغیب ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیے:

﴿ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَلِيِّ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ 2

”پھر تم اس اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا ہے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ علم و ملک اور اختیار و تصرف اسی ذات کا کامل ہے:

﴿وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَالْأَلْبُيُورِ وَالْأَمْرِ كُلِّهِ﴾ 1

”آسمان اور زمین کی تمام پوشیدہ خبریں اللہ ہی کیلئے ہیں اور اسی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے۔“ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور سننے کی صفت سب سے اعلیٰ اور نزالی ہے لہذا مخلوق کے اعتبار سے آسمان و زمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کا علم بھی اسی کے ساتھ خاص ہے:

﴿لَهُ غَيْبُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ أَبْصَرُ بِهِ وَاسْمِعُ﴾ 2

”اسی اللہ کے پاس ہیں آسمان و زمین کے چھپے بھید کیا ہی عجیب دیکھتا اور سنتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر اپنے علم کامل کی شان بتلاتا ہے کہ میں ہر وقت ہر ایک کی ہر طرح سے خبر رکھتا ہوں کوئی چھپوئی بڑی، ظاہر پوشیدہ شے مجھ سے اوجھل نہیں:

﴿عَلِمَ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ..... أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ﴾ 3

”وہ اللہ عالم الغیب ہے ذرہ بھر بھی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا آسمان و زمین میں اس سے غائب نہیں ہو سکتا۔“ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے یہ حقیقت آشکار فرمادی ہے کہ انبیاء کرام نہ تو خزانہ خداوندی پر براجمان ہوتے ہیں، نہ غیب دان اور نہ بشر کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ وہ تو حکم الہی کے تابع ہوتے ہیں:

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي..... مَلِكٌ إِنْ أَرَادَ إِلَّا مَا يَوْحَىٰ إِلَيَّ﴾ 4

”آپ ﷺ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خزانہ خداوندی ہے اور نہ میں عالم الغیب ہوں اور نہ ہی میں تمہیں یوں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔“

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی جن تین صفات کی نفی فرمائی ہے



اپنی طرف سے آپ ﷺ کیلئے ان کو ثابت کرنے میں اپنی چوٹی کا زور لگا کر امید و ثواب رکھنا کھلی نادانی، حقیقت سے کوسوں دور اور کلام پاک کے مخالف و متضاد عقیدہ رکھنا ہے۔ ایک اور مقام پر آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بھی کہلوادیا کہ نہ میں غیب والی کا دعویٰ دار ہوں اور نہ مافوق الفطرت ہوں بلکہ جیسے سب اللہ کے بندے ہیں ویسا ہی میں بھی ہوں:

﴿وَمَا أَدْرِى مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾<sup>1</sup>

”اور مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔“

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں آنحضرت ﷺ کی اپنی ذات سے علم غیب کی نفی ہے یعنی اب مجھ کو کس چیز کا علم دیا جائے گا اور کس بات سے منع کیا جائے گا مجھے اس کا کچھ علم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ غیبی امور کی اطلاع ہر ایک کو نہیں دیتا بلکہ اپنے برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء کرام کا انتخاب کر کے ان کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظِلَّكُمْ عَلَىٰ يَحْيَىٰ مِنْ رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ﴾<sup>2</sup>

”اور ایسا نہیں کہ اللہ تمہیں غیب کی خبر دیدے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔“

لیکن اس سے یہ شبہ کرنا کہ اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام بھی علم غیب کے شریک کار (عالم الغیب) ہو گئے ایک طرح سے اللہ کی صفت میں شریک کا دھہرانے کے مترادف ہے، کیونکہ جو بات کسی کے بتلانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں کہلاتی۔

1۔ سورہ احقاف آیت 9  
2۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ 155  
3۔ سورہ آل عمران آیت 179

### غیب کی خبر یا اطلاع دینا:

صفت علم غیب تو اللہ کے ساتھ خاص ہے البتہ غیب کی خبر یا اطلاع دینا الگ بات ہے اور فریق ثانی کو غلط فہمی اسی بات پر ہے کہ وہ اس قسم کی آیات سے خود فریبی کا شکار ہو کر پبلک کو خوش فہمی میں مبتلا رکھنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں۔ جب کچھ سمجھایا جائے تو جہل و جہود کی چٹان پر قدم جمائے سیدہ سپر ہو جاتے ہیں۔ یہ کج روی قرآن و حدیث سے تغافل برتنے کا نتیجہ ہے۔ کلام پاک اور سیرت طیبہ میں غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے انبیاء علیہم السلام کو جن پوشیدہ امور سے آگاہ فرماتے ہیں وہ دراصل ”غیب کی خبریں“ کہلاتی ہیں کیونکہ لفظ نبی ”نبا“ سے ماخوذ ہے جس کے معنی خبر کے ہیں، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کئی طور پر علم غیب نبی کے معنی و مفہوم میں داخل ہے۔ جیسا کہ بعض جہلاء نبی کا ترجمہ کرتے وقت خیانت کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ”مخبر صادق“ یعنی سچی خبر دینے والا، کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ جناب ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جزئیات اور غیب کی خبریں ہیں (جنگے بارے میں کوئی اختلاف نہیں) مگر اس کا علم غیب سے کیا تعلق.....؟

### حضور ﷺ کا پہلے علوم سے بے خبر ہونا عین کمال ہے:

انسان کو بچپن کے زمانے کی کسی بات کا علم یا تو عقل سے ہو سکتا ہے یا کسی کے بتلانے اور سکھانے سے یا خود مشاہدہ کرنے سے لیکن نبی کریم ﷺ کو ان باتوں کا علم ان میں سے کسی ذریعے سے نہیں ہوا کیونکہ آپ ﷺ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سے صدیوں پہلے کسی دوسرے علاقے میں پیش آنے والے واقعات کا علم جس کی تاریخ بھی مٹ چکی ہے یقیناً آپ کو وحی کے ذریعے ہوا ہے۔



یہی وجہ ہے کہ بارہا پچھلی امتوں کے حالات و واقعات بتلانے کے بعد اللہ اس امر کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ یہ جو آیات آپ ﷺ پر پڑھی جا رہی ہیں ہماری نشانیاں ہیں، ہر چند کہ آپ ﷺ اس سے پہلے اس واقعہ سے لاعلم و نا آشنا تھے چنانچہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی کفالت کا ذکر ہوا یا حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات، طاوت و جالوت کی جنگ ہو یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا قرآن میں ہر ایک واقعہ ذکر کرنے کے بعد اللہ نے یہی فرمایا کہ غیب کی یہ خبریں آپ ﷺ کی رسالت و نبوت کی تصدیق کے لئے بطور معجزہ ہم آپ تک پہنچا رہے ہیں ورنہ آپ ﷺ تو وہاں موجود بھی نہ تھے۔ اس میں حضور ﷺ کے لئے کوئی تنقیص نہیں بلکہ عین کمال ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے حق تعالیٰ کے بتلانے سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو کچھ معلوم نہیں ہو سکتا، نہ ان کے پاس کمالات بدون عطاء الہی کے ہوتے ہیں لہذا اس طرح کی خبریں دیتے وقت اللہ اپنے محبوب ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ..... وَلَا قَوْلُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾

”اے نبی (ﷺ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم۔“

لہذا غیب کی خبروں پر جمیع ماسکائن و مایکون کا اطلاق کرنا حقیقت سے نظریں چرانے کے مترادف اور لاعلمی پر مبنی ہے۔

آنحضرت ﷺ کو غیب کا علم نہ تھا آپ کو صرف وہی کچھ معلومات تھیں جو وحی کے ذریعے بتلائی جاتی تھیں۔ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی خبریں بھی اللہ تعالیٰ نے ہی

آپ ﷺ تک پہنچائی ہیں اور جن کی خبر آپ کو نہیں دی گئی آپ کو ان کی خبر نہیں۔ ظاہر ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال کا علم آپ کو عطا نہیں کیا تو وہ کہاں سے اور کیونکر حاصل ہو سکتا ہے.....؟ ملاحظہ فرمائیے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا..... بِآيَاتِنَا لَا يَذْنُ اللَّهُ﴾

”اور ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں ان میں سے بعضے کا حال آپ کو سنا دیا اور بعضے کا حال نہیں سنایا اور کسی رسول کی قدرت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لے آئے۔“ واضح ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء عظام رحمہم اللہ کو بذریعہ وحی یا کشف جو بات بتلا دیں وہ انہیں معلوم ہو جاتی ہے پھر وہ مقبول بندہ کسی اور کو بھی خبر دیدے تو اسے بھی معلوم ہو جاتی ہے جیسے جنت و جہنم کے احوال وغیرہ، مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ انہیں تمام مغیبات منکشف ہو گئے ہیں؟ حق تعالیٰ کوئی بات بتلانا چاہے تو ساتوں زمین کے نیچے اور ساتوں آسمانوں کے اوپر کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے؟ وہ بھی معلوم ہو جاتا ہے اور اگر وہ کوئی بات نہ بتلانا چاہے تو دیوار یا پردے کے پیچھے کی کوئی بات حتیٰ کہ پیر کے نیچے کیا چیز ہے اور سر کے اوپر کیا ہو رہا ہے؟ اس کی بھی خبر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ معجزات و کرامات ان کی اختیاری چیز نہیں ہوتے کہ جب چاہیں دکھلا سکیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر خاص فضل ہوتا ہے۔

علم غیب عقل کی میزان میں:

علم غیب کا اثبات نبی یا ولی کے لئے قطعاً ضروری نہیں کیونکہ اگر انہیں پہلے سے سب کچھ معلوم ہو اور پھر وہ بتلائیں یہ کوئی شان و کمال نہیں۔ اس طرح تو وحی و کرامت بے



اہمیت ہو کر رہ جائے گی بلکہ کمال عظمت تو یہ ہے کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو پہلے سے کچھ علم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے جس وقت اور جتنا چاہیں علم عطا فرما کر ان کی شان بلند کر دیں۔ جو کسی اور کے بس کی بات نہ ہو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام پر ظاہر کرویں اور کبھی ایسا بھی ہو کہ علم نہ دے کر بھی شان بلند فرما دیں جیسے کلام مجید میں آنحضرت ﷺ کی صفت ”الَّذِي الْأُنْثَىٰ“ آئی ہے یعنی جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو مگر اللہ نے وحی اتار کر زمین و آسمان کے مسائل حل کر دیئے۔

اب ہم قرآن وحدیث سے چند ایسے واقعات نقل کریں گے جنہیں پڑھ کر ہر صاحب عقل ومنصف مزاج شخص جان لے گا کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔

### ازدواج مطہرات کا واقعہ:

پیغمبروں کی خانگی و ازدواجی زندگی عام انسانوں جیسی ہوتی ہے نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک بی بی صاحبہ سے بطور راز کوئی بات کہی انہوں نے دوسری زوجہ محترمہ پر ظاہر کر دی۔ آپ ﷺ کو وحی الہی سے اس کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے انہیں بتلایا کہ تم نے وہ بات راز نہ رہنے دی۔ اس پر انہیں حیرت و تعجب ہوا کہ آپ ﷺ تو غیب دان نہیں پھر کیونکر معلوم ہو گیا؟ اب نبی کریم کا جواب سنئے.....! آنحضرت ﷺ نے بھی انہیں یوں نہیں کہا کہ ہم تو غیب دان اور حاضر و ناظر ہیں ہمیں کسی کے بتلانے کی کیا ضرورت ہے.....؟ بلکہ ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ نَبَاَنِی الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾

”آپ ﷺ نے کہا مجھے اس خبر رکھنے والے واقف کار (اللہ تعالیٰ) نے بتلایا ہے۔“

### مسجد ضرار کا واقعہ:

منافقین نے سازشی طبیعت سے مجبور ہو کر مسجد کے نام پر ایک عمارت بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمارے ساتھ چل کر اس کا افتتاح فرمائیں۔ اس وقت آپ ﷺ غزوہ تبوک کی مہم پر روانہ ہو رہے تھے چنانچہ طے پایا کہ واپسی پر ان کی مسجد میں نماز پڑھیں گے۔ (منافقین کا مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر ”ساتھ چلنے“ کا اصرار واضح کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے وہ بھی قائل نہ تھے اب تو ہر کس و نا کس نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کو باز سچے اطفال بنا ڈالا ہے) تبوک سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے اصل صورتحال سے آگاہ فرما کر ان ظالموں کی مسجد نما عمارت گرا دینے کا حکم صادر فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ لَا تَقْعُ فِيْهِ اَبْدًا﴾

”اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین بالکل جھوٹے ہیں آپ ﷺ (اس میں نماز کے لئے کبھی کھڑے نہ ہوں)۔“

ذرا غور کیجئے آنحضرت ﷺ کو مدینے کے ایک محلہ میں اسلام کے خلاف کی جانے والی ریشہ دانیوں کا علم نہ تھا ورنہ انہیں سچا تصور کر کے ساتھ جانے کا وعدہ کبھی نہ فرماتے اس کے ساتھ یہ بھی غور کریں کہ آنحضرت ﷺ کو علم ہوتے ہوئے جبریل امین کا آپ کو آگاہ کرنا اور آیتیں نازل ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

### جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کا واقعہ:

غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے منافقین کی چکنی چڑی باتوں سے متاثر



ہو کر واقعاً انہیں معذور جانتے ہوئے جہاد سے رخصت دیدی حالانکہ وہ مکرم و فریب کر رہے تھے۔ اللہ عزوجل نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو ایک گونہ عتاب آمیز مگر پیار بھرے انداز میں تنبیہ فرمائی:

﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتُ لِمَنْ قُتِلَ لَكَ الْكَذِبِينَ﴾ 1

”آپ (ﷺ) کو اللہ بخشے آپ نے ان کو ایسی جلدی کیوں اجازت دیدی جب تک کہ آپ سچے اور جھوٹوں کو پرکھ نہ لیتے۔“

شہد نہ کھانے کی قسم کا واقعہ:

آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں سے شہد نوش فرما کر آئے۔ حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما نے بشری تقاضے کے تحت آپس کے مشورے سے یہ لطیف حیلہ بنایا کہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو کہا کہ آپ کے منہ مبارک سے مغایر (گوند) کی بو آ رہی ہے۔ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا: اچھا! اگر ایسا ہی ہے تو میں آئندہ شہد نہ پیوں گا۔ مگر اللہ کو یہ پسند نہ تھا کہ آپ ﷺ کسی حلال چیز کو بلا وجہ اپنے اوپر حرام کر لیں، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ 2

”اے نبی (ﷺ) آپ اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ نے حلال کیا ہے۔“ اگر آنحضرت ﷺ کو علم غیب ہوتا تو نزول آیت سے پہلے ہی معلوم ہو جاتا کہ میرا یہ فعل اللہ کو ناپسند ہوگا۔ اور کیا حاضر و ناظر سے چھپ کر بھی کوئی مشورہ کیا جاسکتا ہے؟ نیز خود حضرت عائشہ و حفصہ قرآن کی حافظہ اور دین میں مہارت رکھنے کے باوجود

جانتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ غیب وان اور حاضر و ناظر نہیں۔ اسی کے ضمن میں یہ حقیقت بھی کھل گئی کہ اگر آپ ﷺ مختار کل ہوتے تو جو چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی وہ حرام ہی رہتی اور قسم توڑ کر کفارہ دینے کی نوبت کبھی نہ آتی۔

بکری کے گوشت میں زہر ملانے کا واقعہ:

فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آنحضرت ﷺ کو تحفہ بھیجا۔ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں سے چند لقمے کھائے و فحشا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے مت کھاؤ۔ یہ بوئیاں مجھے بتلا رہی ہیں کہ ہمارے اندر زہر ہے لیکن جب تک حضرت بشر بن براہ رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہو چکی تھی۔ سو اس یہودیہ کو قصاصاً قتل کرنے کا حکم دیا گیا خود آنحضرت ﷺ تین سال تک اس کا درد و الم محسوس کرتے رہے اور آپ کے مرض وفات میں بھی اسی زہر کا اثر نمایاں تھا۔ اگر حضور ﷺ کو علم غیب ہوتا تو یہ افسوسناک واقعہ ہرگز پیش نہ آتا اور آپ ﷺ پیشگی طور پر اس کی ناشائستہ حرکت کی خبر دیدیتے۔ علم غیب کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنے سے نعوذ باللہ یہ لازم آئے گا کہ جانتے بوجھتے بھی آپ ﷺ نے اس کی خبر نہ دی جس سے صحابی کی موت واقع ہوئی۔ بتائیے صحابی کی موت کا ذمہ دار کون قرار پاتا ہے؟

حضرت عائشہ کا ہار کھوجانے کا واقعہ:

غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر راستے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قیمتی ہار گم ہو گیا۔ مجبوراً آنحضرت ﷺ کو اسی منزل پر قیام کرنا پڑا اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو خود اپنی جگہ ولی کامل تھے) کو اس کی تلاش کے لئے بھیجا اسی میں عصر کا وقت بھی



نقل گیا حالانکہ ہار اونٹ کے نیچے پڑا تھا۔ واپسی پر منافقین نے حرم نبوت پر اس قدر تہمت کا بازار گرم کیا کہ بعض مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقریباً ایک ماہ خاصے مغموم اور پریشان رہے اور آپ ﷺ نے بارہا مشورہ بھی کیا کہ اب کیا کیا جائے.....؟ اس کے بعد اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اعلان کرتے ہوئے ہر تہمت لگانے والے کی شرعی سزا (80 کوڑے لگانے) کا حکم نازل فرمایا۔ اگر حضور ﷺ کو علم غیب ہوتا تو اس قدر پریشانی کیوں اٹھاتے.....؟ کیا نعوذ باللہ یہ مذاق تھا کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے لوگوں سے اپنے نجی معاملات میں مشورہ کیا جا رہا ہے.....؟

ذاتی اور عطائی علم غیب:

کچھ ریاضی و فلسفی قسم کے لوگ بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو ذاتی علم غیب تو نہیں تھا البتہ ”عطائی“ ضرور تھا۔ یہ مستحکم خیز تاویل ناقابل التفات اور یقیناً حتماً مردود ہے کیونکہ نفع کے حصول اور نقصان سے بچنے کے لئے فقط علم ہونا کافی ہے۔ ذاتی و عطائی کی کوئی تفریق نہیں۔ ایک سلیم الطبع اور صاحب عقل شخص کو زہر کے نقصان سے بچنے کے لئے اتنا علم ہونا کافی ہے کہ یہ ہلاکت خیز ہے اسی طرح شہد کے منافع کا مطلق علم ہی کافی ہے۔ اگر کوئی کہے میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر خالق اور الہ مانتا ہوں اور آپ ﷺ اور دوسرے بزرگوں کو عطائی طور پر خالق پر اور الہ مانتا ہوں تو اس کا کیا حکم ہے؟

آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب ماننے کا نقصان:

کلام پاک میں آنحضرت ﷺ کو اس دعا کی تاکید کی گئی ہے:

﴿وَقُلْ زِدْنِي عِلْمًا﴾

”آپ ﷺ کہیں کہ اے میرے پروردگار میرا علم بڑھا دیجئے۔“

ظاہر ہے کہ اگر آپ ﷺ کا علم کامل و محیط ہوتا تو اس میں اضافے و زیادتی کے کیا معنی.....؟ لامحالہ یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ آپ ﷺ کو عالم الغیب ماننے سے وحی کا انکار لازم آتا ہے۔

سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام اور علم غیب

اب ہم کلام پاک کے حوالے سے چند ایسی مثالیں نقل کریں گے جن کی رو سے معلوم ہوگا کہ انبیاء سابقین کو بھی علم غیب نہیں تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام:

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں آپ کو اللہ نے فرشتوں کے سامنے بہت سی چیزوں کے نام سکھائے پھر پوچھا تو فرشتے نہ بتلا سکے اور آپ نے بتلا دیئے۔ سو آدم علیہ السلام کی فضیلت بڑھ گئی اس واقعہ سے علم غیب ثابت کرنا سمجھی کے سوا کچھ نہیں ورنہ بعد میں وہ شیطان کے مکر و فریب میں آکر ممنوعہ درخت کا پھل کھا کر اللہ کو بھی ناراض نہ کرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام:

حضرت نوح علیہ السلام آدم ثانی کہلاتے ہیں۔ آپ کی قوم پر عذاب آیا تو مینا بھی نافرمانی کی پاداش میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ اگر نوح علیہ السلام کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کنعان کو ڈوبنے سے نہیں بچائے گا بلکہ اس کے سوال اور مطالبے سے ہی اس قدر ناراض ہوگا کہ بات نبوت واپس لینے تک جا پہنچے گی تو آپ



کبھی اس کی جزات نہ کرتے۔ کیا عالم الغیب بھی جان بوجھ کر قانون خداوندی کے خلاف بات کرتا ہے.....؟ اس واقعے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام خود اپنی ذات سے علم غیب کی نفی کا اقرار کرتے نظر آتے ہیں:

﴿رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ﴾

”اے میرے رب میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ آئندہ ایسی بات کروں جس کا مجھے علم نہ ہو۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام:

آپ کے بے مثال تخت و تاج اور انداز حکمرانی سے کون واقف نہیں.....؟ آپ نے اپنی فوج کے مختلف گروہ اور محکمے بنا رکھے تھے جن کی باقاعدہ حاضری لیا کرتے تھے۔ حالانکہ عالم الغیب کے لئے حاضری کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ایک روز بد بد پرندے کو غیر موجود پایا تو فرمانے لگے:

﴿وَمَا لَیْ لَا اَرٰی الْہٰذِہٖۤ اَمْکَانَ مِنَ الْغَآیِبِیْنَ﴾

”کیا ہو گیا کہ آج مجھے بد بد نظر نہیں آیا یا وہ کہیں غائب ہے۔“

حالانکہ وہ پرندہ قوم سبا کی طرف جا نکلا تھا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو پریشان ہونے کی بجائے مسرور ہوتے کہ وہ بڑی مفید جاسوسی پر گیا ہوا ہے۔ پھر بد بد نے واپس آ کر تو کمال ہی کر دیا۔ کس بیباکی سے کہا کہ میں وہ خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہ تھی۔ اس کے بعد آپ بد بد کی بات کو انکل جان کر قہر بھیجتے وقت یوں نہ کہتے کہ ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے؟ بلکہ پہلے سے معلوم ہوتا کہ ملک سبا پر ملکہ بلقیس کی حکومت ہے۔ ایک روز آپ کا لشکر جارہا تھا تو ایک چیونٹی پکار اٹھی:

﴿لَا یُخْطِئُکُمْ سُلَیْمٰنٌ وَجُودُکُمْ وَہُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾

”کہیں سلیمان (علیہ السلام) اور ان کی فوجیں بے خبری میں تمہیں روند نہ لیں۔“  
معلوم ہوا کہ جانور بھی جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب کا علم نہیں رکھتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام:

آپ جلیل القدر نبی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والد ہیں آپ کے تمام بیٹے یہ جانتے تھے کہ ہمارا باپ عالم الغیب نہیں ورنہ وہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر قطعاً مکرو فریب نہ کرتے اور خود حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں کی سازش سے آگاہ ہوتے اور جا کر اپنے تخت جگر کو کنویں سے نکال لاتے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے ہوتے ہوئے مصر کے حکمران بھی بن گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں کہ انکی یاد میں رور و کرآ نکھیں گنوا بیٹھے۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام عالم الغیب تھے تو یہ نوبت کیوں آئی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام:

آپ جد الانبیاء ہیں۔ اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں لیکن چھری حکم ربی کی پابند ہے کیونکہ اللہ کو امتحان لینا مقصود تھا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو یقیناً یہ معلوم ہوتا کہ میرا بیٹا ذبح نہیں ہوگا اور خود صابرا و سہما بھی واقف ہوتے کہ مجھے ذبح نہیں ہونا تو پھر قربانی کے کیا معنی.....؟ اس صورت میں تو یہ فراڈ بلکہ نعوذ باللہ، اللہ اور خلیل اللہ کے مابین ملی بھگت سے عوام کو دھوکہ دہی کی ایک اسکیم بن جائے گی حالانکہ حقیقت قطعاً اس کے خلاف ہے۔ آخر میں اللہ نے فرما دیا کہ



ہمارے خلیل نے خواب سچا کر دکھلایا۔ ذرا یہ تو سوچئے کہ کیا غیب دان سے بھی امتحان ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ایک مرتبہ فرشتے بصورت انسان آپ کے مہمان ہوئے تو آپ انہیں پہچان نہ سکے، جب کھانا پیش کیا تو ان کی پراسرار خاموشی سے ڈر سے گئے کیونکہ بشری فطرت میں ڈر بھی شامل ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں سے ایک گونہ گہرا تعلق ہوتا ہے جب انہیں نہ پہچانا کہ انسان ہیں یا فرشتے تو اور کس کے متعلق علم ہوگا۔؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ آپ بھی عالم الغیب نہ تھے ورنہ اللہ کو دیکھنے کا اصرار نہ کرتے بلکہ جان لیتے کہ مجھے اس دنیا میں کبھی رویت باری تعالیٰ نصیب نہ ہوگی بلکہ لطیف پیرائے میں سرزنش ہوگی پھر آپ اللہ کے حکم سے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم سیکھنے گئے۔ کیا عالم الغیب بھی کسی کے پاس جا کر علم سیکھتا ہے۔۔۔۔۔؟ جاتے ہوئے راستے میں پڑاؤ والا تو توشے سے مچھلی کو درپانی میں چلی گئی پر آپ بے خبری میں دو تین کوس منزل سے آگے نکل گئے اور خادم سے کہا کہ بھی ہمارا ناشتہ کدھر ہے۔۔۔۔۔؟ تا آنکہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر ان کے ماروائے عقل تکوینی امور کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے۔ اللہ نے خضر علیہ السلام کی زبانی مسئلہ واضح کر دیا کہ کہیں کوئی نا فہم مجھے ہی غیب دان نہ سمجھ بیٹھے:

﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي﴾

”کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا وحی الہی سے ایسا ہوا ہے۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں جنہیں عیسائیوں نے الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ بروز مٹشر عیسائیوں پر حجت قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے کہ کیا آپ نے انہیں کہا تھا کہ میری اور میری والدہ کی پرستش شروع کر دو۔۔۔۔۔؟ تو حضرت عیسیٰ جواب دیں گے:

﴿تَعْلَمُونَ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾

”اے اللہ آپ تو میرے دل کے چھپے راز جانتے ہیں اور جو کچھ آپ کے علم میں ہے

میں اسے نہیں جانتا۔ بے شک آپ غیب کی تمام باتوں کو جاننے والے ہیں“

مذکورہ آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علم الہی کے کامل ہونے کے اثبات کے ساتھ ساتھ اپنے لئے علم غیب کی صاف نفی فرمائی ہے۔

### احادیث طیبہ اور عقیدہ علم غیب

اب ہم ذخیرہ احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے فیصلہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو علم غیب سے یا نہیں۔۔۔۔۔؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”جو شخص تم سے یوں کہے کہ آنحضرت ﷺ غیب

جانتے تھے تو وہ جھوٹا ہے حالانکہ آپ ﷺ فرماتے

کذب وهو يقول لا يعلم الغیب الا اللہ“ ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔“

گویا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے صاف بتلادیا کہ آپ ﷺ کے لئے علم غیب



ثابت کرنا بہتان اور گستاخی ہے جس کا انکار لازمی اور آپ ﷺ کی شان اقدس کے عین مطابق ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اس قدر اہتمام سے استخارہ کی دعایا دکروائی جیسے کوئی سورت قرآن ہو۔ اس میں یہ بھی ہے:

﴿فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ﴾  
 مجھے کچھ قدرت نہیں اور تو جانتا ہے اور میں  
 انجان ہوں اور تو ہی سچپس ہوتی باتوں کا  
 جاننے والا ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

﴿اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ عَلٰی مَا لَیْسَ بِکَ مِنْ شَیْءٍ﴾  
 اے اللہ! میں اس علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفع نہ دے۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو علوم غیر نافعہ مثلاً نجوم، سحر، فلسفہ، شعبہ بازی، کہانت وغیرہ عطا نہیں کیے گئے کہ یہ آپ کے شایان شان نہ تھے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جو چیز نبی و رسول کیلئے شروع میں شان نبوت کے لائق نہیں ٹھہری وہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی غیر مناسب ہی رہے گی۔ اسی طرح کلام پاک میں آپ ﷺ سے شعر گوئی کی نفی کی گئی ہے ﴿جَمِیْعُ مَسَاکِنَ وَمَا یُکُوْنُ﴾ میں تو اشعار بھی داخل ہیں کم از کم نا فہموں کا کلی علم غیب کا استدلال تو باطل ٹھہرا۔ اور یہاں یہ سوال بھی بے معنی ہوگا کہ پھر یہ علوم اللہ کو کیونکر معلوم ہیں.....؟ خالق کو مخلوق، عابد کو معبود پر

قیاس کرنا اللہ کی مشیت میں دخل اندازی اور شیطان کی بیروی کے مترادف ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے ایک چڑیا کو دریا کے کنارے پانی پیتے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپ کے علم کی مثال اس قطرے کی سی ہے جو اس چڑیا نے دریا سے لیا ہے۔“ یہ مثال بھی محض سمجھانے کے لئے ہے ورنہ مخلوق کے محدود علم کو خالق کے لامحدود و غیر متناہی علم کے ساتھ کوئی نسبت اور تقابل ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک جنگ کے موقع پر جوتے پہن کر نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک جوتے اتار کر بائیں طرف رکھ دیئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کی بیروی میں اپنے جوتے اتار دیئے۔ نماز کے اختتام پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہیں جوتیاں اتارنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ صحابہ نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کی بیروی میں ایسا کیا ہے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

﴿اِنَّ اَبْرَہٰمَ الْکَلْبَکَیْ اَتَّاسٰی فَاخْبَرَنِیْ اَنْ یُّبَشِّرَکَ بِبَیِّنٍ﴾  
 اے اور انہوں نے مجھے یہ خبر دی کہ میرے  
 جوتوں میں گندگی لگی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا جواب بھی دیکھیے! یہ نہیں کہا کہ آپ سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود ہم سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟ ملا علی قاری رحمۃ



اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں آنحضرت ﷺ کو تاخیر سے خبر دینے سے مقصود امت کو آگاہ کرنا ہے کہ آپ ﷺ علم غیب نہیں رکھتے مگر جتنا کہ آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے خبر دیدی جائے۔

آنحضرت ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں ایک غزوے سے واپس ہوئے اسی رات آپ کی اونٹنی گم ہو گئی تو ایک منافق نے کہا یہ کس طرح عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اسے یہ تک معلوم نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ اتنے میں جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور خبر دی۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے فرمایا:

”ما ازعم انی اعلم الغیب ولكن الله“ میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں عالم الغیب ہوں اخبرنی بقول المنافق وبمكان ناقتي لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے منافق کی بات اور وہی الشعب وقد تعلق زمامها اونٹنی کے مقام کی خبر دی ہے کہ فلاں گھائی بشجرة جے میں اس کی باگ درخت سے اٹک گئی ہے۔

جب صحابہ رضی اللہ عنہم اس گھائی کی طرف دوڑے تو اونٹنی کو اسی حالت میں پایا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا گمان منافقین کا تھا۔ جب آپ ﷺ نے اس کی نفی فرمادی اور منافق نے حقائق کا مشاہدہ کر لیا تو راہ راست پر آ گیا اور مسلمان ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انصار مدینہ کو نرا اور مادہ کھجور کے درختوں میں تا بیر (ایک قسم کا پیوند لگانا) کرتے دیکھ کر ان کی تکلیف کے پیش نظر ازراہ

شفقت فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو بہتر ہے۔ انہوں نے تعمیل ارشاد میں یہ کاروائی ترک کر دی نتیجتاً اگلے سال پچلوں میں خاصی کمی واقع ہو گئی۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں تو بشر ہوں جب دین کے بارے میں تمہیں کوئی حکم دوں تو لازمی طور پر

اسکو لے لو اور جب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو آخر میں انسان ہوں۔“

یہ بات ذہن نشین رہے کہ دنیاوی امور سے ناواقفیت باعث نقص نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی توجہ ہمیشہ رضائے الہی کی طرف مبذول ہوتی ہے البتہ آنحضرت ﷺ کا

اقرار یہ ہے کہ ”میں بشر ہوں“ اور وضع بشری کا تقاضا یہی ہے کہ میں غیب نہیں جانتا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع عام سے فرمایا: ”میں بشر ہوں اور تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لیکر آتے ہو ممکن ہے تم میں کوئی شخص اپنی

چرب زبانی سے اپنے جھوٹے مقدمے کو سچا کر دکھائے اور میں غلط فہمی میں اسی کے حق

میں فیصلہ کر دوں تو اس کو یوں سمجھے کہ جہنم کی آگ کا ٹکڑا لے رہا ہے لہذا میرے سامنے

سچی بات کہا کرو“ جے

آپ ﷺ کو علم غیب ہوتے ہوئے حقیقت کے نہ جاننے کا کیا مطلب؟ کیا عالم

الغیب پر بھی کوئی بات مخفی رہ سکتی ہے؟ بھلا خود ہی بتلائیے کہ آنحضرت ﷺ کی اپنی

ذات سے نفی فرمانے کے بعد کسی اور کی بات کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے؟



## فقہائے احناف اور عقیدہ علم غیب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کے موضوع پر آخر میں فقہائے احناف رحمہم اللہ کے فتاویٰ جات پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے، احناف کی مشہور کتاب میں ہے:

وذكر الحنفية تصريحاً بالكفر "حضرات علمائے احناف نے صراحت کے باعتبار ان النبی ﷺ يعلم الغیب" ساتھ یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کا اعتقاد رکھنا خالص کفر ہے۔

علامہ قاضی خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس شخص نے کسی عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور کہا کہ ہم خدا اور رسول ﷺ کو گواہ بناتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا"۔

مجہ یہ لکھی ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھا اور یہ عقیدہ غیر اسلامی ہے کیونکہ آپ ﷺ جب زندوں میں تھے تو غیب نہیں جانتے تھے تو اب کس طرح جاننے لگے؟

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ وہ محقق دوراں ہیں کہ دونوں فریق آپ کے معترف ہیں اور اختلافی مسائل میں آپ کی بات سند کا درجہ رکھتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

"جان لو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے مگر جتنا کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ انہیں دیدیتا ہے اور حنفی علماء نے وضاحت کی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ آنحضرت ﷺ غیب جانتے ہیں تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾ کا معارضہ کیا ہے"۔

## خلاصہ کلام:

اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا کلی و محیط علم ہے وہ جن امور کی اطلاع انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام کو دیتا ہے ان پر غیب کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ آنحضرت ﷺ کے علوم مبارکہ کی وسعت کا اندازہ کسی کے بس میں نہیں لیکن قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب نہیں۔ آپ ﷺ نے لاعلمی میں زہر کھایا ہے اور شہد کے نہ کھانے کی قسم کھائی ہے اسی طرح بدر کے قیدیوں کے فدیے، کھجور کے درختوں میں پیوند کاری سے روکنے، منافق کے جنازے میں شرکت، روسائے مشرکین کے حق میں بددعا کرنے میں آپ کی رائے ٹھیک نہ تھی اور رائے کا صحیح و غلط ہونا وضع بشری ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ نہ تو آپ ﷺ کے علوم، علوم الہی کے مساوی ہیں اور نہ ہی قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو عالم الغیب کہنا جائز ہے اور یہی عقیدہ اعتدال پر مبنی اور آپ ﷺ کی شان کے عین مطابق ہے ورنہ تو آپ ﷺ کو عالم الغیب ماننے سے وحی کا انکار لازم آئے گا۔



حاضر و ناظر کا مفہوم:

حاضر کے معنی ”موجود“ اور ناظر کے معنی ”دیکھنے والے“ کے ہیں جب دونوں کو ملا کر استعمال کیا جائے تو اس سے ایسی ہستی مراد ہوگی جس کا وجود کسی خاص جگہ میں نہیں بلکہ یہ ایک وقت ساری کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہو اور ہر شے کے اول تا آخر تمام حالات اس کی نظر میں ہوں یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے، چنانچہ کلام پاک میں ہے:

﴿وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخِيطًا ۝۱﴾

”اور وہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔“

ظاہر ہے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے لئے محیط ہونا ضروری ہے اور محیط وہی ذات ہے جو ہر آن و ہر جابہ مثل طور پر موجود ہے۔ اسی کا علم تمام و کامل ہے اور اسی کی شان درجہ کمال تک پہنچی ہوئی ہے۔

قرآن کی رو سے حاضر و ناظر کون ہے.....؟

اللہ تعالیٰ اپنا تعارف اس طرح کرواتا ہے کہ کوئی دوا فردا سرگوشی نہیں کرتے مگر تیسرا اللہ ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی وقت ہم سے غائب نہیں اور ہر ظاہر اور چھپے عمل کو دیکھ رہا ہے:

﴿هُوَ مَعَهُمْ إِنِّي مَا كُنتُ أَهٖ ۝۲﴾

”لوگ جہاں کہیں ہوں وہ اللہ ساتھ ہی ہوتا ہے“

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دریافت فرما رہا ہے:

﴿أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۳﴾

”کیا آپ کے پروردگار کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہمہ گیری و ہمہ بینی کو یوں بیان فرمایا ہے:





﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

”وہ اللہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو اور ہر وقت

کرتے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔“

ایک اور مقام پر فرمایا کہ اللہ ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے تمہارا کوئی عزم و ارادہ، فکر و خیال یا حرکت و عمل اسکے علم سے باہر نہیں۔

﴿وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ﴾

”اور ہم غائب نہ تھے۔“

اللہ تعالیٰ جس شان سے حاضر اور جس مرتبے کا ناظر ہے یہ اسی کو زیبا ہے۔ دیگر صفات باری تعالیٰ کی طرح ہر جگہ اور ہر وقت حاضر ہونا اور تمام حالات کا مشاہدہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے یہ صفت کسی اور میں نہیں ہو سکتی۔ بندوں کے ظاہری و پوشیدہ اعمال، دلوں کے مجید، آسمان و زمین کے چھپے ہوئے راز سب اللہ کے علم میں حاضر ہیں اور وہ سب کو ناظر ہے:

﴿وَإِنَّ رَبَّكَ ..... السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ﴾

”اور بیشک تمہارا رب سینوں میں چھپی اور ظاہری بات کو خوب

جانتا ہے۔ اور آسمان و زمین میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔“

تمام مخلوقات میں ہر اعتبار، ہر زاویے اور جہت سے نبی اکرم ﷺ کا مقام سب سے اونچا و افضل، اشرف و اعلیٰ ہے۔ مگر بایں ہمہ آپ ﷺ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو دنیا میں بیشمار جگہیں اور چیزیں ایسی بھی ہیں جہاں آپ ﷺ کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا نازی تو ہیں و تحقیر کہلائے گی۔ کیونکہ وہاں ہم جیسے گنہگار آدمی کی موجودگی یا انہیں دیکھنا بھی باعث عیب ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بارے میں سب امتی جانتے ہیں کہ آپ ﷺ روضہ اطہر میں آرام فرما ہیں اور دنیا بھر سے مشاقان زیارت

وہاں حاضری دیتے ہیں۔ اگر حاضر و ناظر سے یہ مراد ہو کہ آپ ﷺ کی روح مبارک کو اجازت ہے کہ جہاں چاہے تشریف لے جائے تو اس سے آپ ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا قطعاً لازم نہیں آتا۔ مثلاً پاکستان کے ہر شہری کو اجازت ہے کہ وہ ملک کے جس حصے میں جب چاہے جاسکتا ہے۔ کیا ہر پاکستانی حاضر و ناظر ہے؟ اب ہم قرآن و حدیث سے ماخوذ دو بڑے واقعات کے تناظر میں مسئلہ حاضر و ناظر پر روشنی ڈالیں گے:

### معراج کا واقعہ:

آنحضرت ﷺ معراج کی شب مکہ سے مسجد اقصیٰ پہنچے وہاں تمام انبیاء علیہم السلام صف بندی کیے آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ امام الانبیاء ﷺ نے امامت کروائی پھر وہاں سے آسمانوں کی طرف سفر شروع ہوا۔ اللہ عز و جل نے اس معجزے کے منجملہ مقاصد میں سے ایک یہ بھی ذکر فرمایا ہے:

﴿لِيُرِيَهُمْ آيَاتِنَا﴾

”تا کہ ہم آپ (ﷺ) کو ذرا قدرت دکھائیں۔“

اللہ تعالیٰ نے واقعہ معراج کو ذکر کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے لئے ”سیر“ اور ”دکھلانے“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ سیر کے لئے ضروری ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جایا جائے لہذا آپ ﷺ کے ہر جگہ حاضر ہونے کی نفی ہوگئی اور دکھلانے کے لئے ضروری ہے کہ ایسی چیز دکھائی جائے جو پہلے سے نہ دیکھی ہو اور نہ فی الوقت مشاہدے میں ہو۔ لہذا آپ ﷺ کے ہر ایک کو ناظر ہونے کی نفی ہوگئی۔ کلام پاک میں جہاں آنحضرت ﷺ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی کی گئی ہے وہاں ان صفات کو شہود کے ساتھ اللہ کے لئے ثابت بھی کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت علمی کی شان یہ ہے کہ وہ ہر وقت ہر ایک کی آواز کو سنتا اور ہر شے کو دیکھتا ہے۔



## صلح حدیبیہ کا واقعہ:

۶ھ میں آنحضرت ﷺ سفر عمرہ کی نیت سے مکہ کی طرف چلے تو راستے میں قریش مکہ حائل ہو گئے پھر صلح حدیبیہ کی صورت میں واپس لوٹنا پڑا۔ سوال یہ ہے کہ سفر عمرہ سے قبل آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے یا مدینے..... ہر جگہ حاضر و ناظر ہستی کو کسی جگہ روکنے کے کیا معنی.....؟ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے روک لیا تو آپ کے قتل کی افواہ پھیل گئی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (جو آپ کے سفیر کی حیثیت سے گئے تھے) کے قتل ناحق کا بدلہ لینے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت جہاد لی جسے کلام پاک نے ”بیعت رضوان“ سے تعبیر کیا ہے ذرا سوچئے کہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہستی کو کیونکر معلوم نہ ہو سکا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خیر و عافیت سے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جب شیطان سے بچھلی امتوں کی طرح رسول علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنانا یا رب العالمین سے کسی بھی طرح کا خاندانی رشتہ جوڑنا ممکن نہ رہا تو اس نے دوسرے حربے استعمال کرنا شروع کر دیے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں جال بچھانا چلا گیا اور مسلمان عشق رسول علیہ السلام کے دھوکے میں شیطانی جال میں پھنستے چلے گئے جبکہ قرآن کی تعلیمات سے پتا چلتا ہے کہ اللہ ہی کی ذات ہے جو ہر جگہ موجود ہے یہ صفت اللہ کے سوا کسی اور مخلوق میں ہو نہیں سکتی۔

## تصویر کا دوسرا رخ:

بعض فہم و تدبر سے عاری لوگوں نے عقائد کے نام پر عجیب گورکھ و حندہ بنا رکھا ہے یا تو انہیں عقل نہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں۔ کبھی دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ ہر

وقت ہر ایک کے لئے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ کبھی کسی خاص وقت میں حاضرین مجلس کو حکم دیتے ہیں کہ اب آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے ہیں باادب کھڑے ہو جاؤ اور قیام کرو۔ ارے بھی جب آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہی ہیں تو تمہاری مجلس میں کہاں سے تشریف لائے؟ وہ تو پہلے ہی سے موجود تھے۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا آن واحد میں جسم اطہر کے ساتھ لاتعداد مقامات پر موجود ہونا بعید نہیں ہے۔ دعویٰ تو بہت بڑا ہے مگر اس پر قرآن یا حدیث سے کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

بعض افراد تو اولیاء اللہ سے متعلق بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہمیں ان کی سخاوت پر تعجب ہے کہ کس فیاضی سے اللہ عزوجل کی صفت یکتا کو مخلوق میں تقسیم کرتے پھرتے ہیں۔ نہ معلوم یہ تعلیمات کہاں سے اخذ کی گئی ہیں؟ کتاب و سنت اور عقل و فراست سے تو ان کا کوئی رابطہ مضبوط نہیں۔

## حضور ﷺ کو حاضر و ناظر ماننے کا نقصان:

سب سے پہلے تو یہ فیصلہ کیا جائے کہ حضور ﷺ حاضر و ناظر کب تھے، نبوت سے پہلے یا نبوت ملنے کے بعد؟ حضور ﷺ کی زندگی و حصوں میں تقسیم ہے ایک مکی اور دوسری مدنی، ہجرت سے پہلے آپ ﷺ مکہ میں تھے اور ہجرت کے بعد مدینے میں تشریف لے آئے۔ اسی اعتبار سے کلام پاک کی سورتیں مکی یا مدنی کہلاتی ہیں اگر ہم حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھتے ہیں تو ”عالمی سورت“ کہنا پڑے گا۔ بتلائیے کہ ہر جگہ حاضر یعنی موجود اور ہر ایک کو ناظر یعنی دیکھنے والی ہستی کے لئے ہجرت کے کیا معنی؟ لامحالہ آپ ﷺ کو حاضر و ناظر ماننے سے ہجرت کا انکار لازم آئے گا۔ کیا آپ نے کبھی یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر مقام پر اپنی شان کے ساتھ موجود ہے اس نے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کی ہو؟ صحیح احادیث میں ہے کہ دوران ہجرت مقام رافع پر آ کر



آنحضرت ﷺ کا حج بھر گیا اور آنسو گرنے لگے۔ رفیق سفر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بیت اللہ یاد آ رہا ہے بخدا اگر میری قوم مجھے ہجرت پر مجبور نہ کرتی تو میں مکہ چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔ کیا ہر جگہ موجود اور دیکھنے والے کو بھی جدائی کا احساس ہوتا ہے؟ اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر ہی تھے تو مکہ میں بھی تھے مقام رافع پر بھی اور مدینہ میں بھی تو کیا نعوذ باللہ وہ مقدس آنسو انسانوی تھے؟ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک ہی وجود رکھتے تھے۔ جب وہ مدینہ منورہ میں موجود ہوتے تھے تو بدر میں ان کا وجود نہیں ہوتا تھا ورنہ بدر کی طرف سفر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسی طرح خیبر، خنین اور تبوک وغیرہ کے اسفار نیز، اور بھی دوسرے حقائق و واقعات اس غیر اسلامی عقیدے کی تردید کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا مدینہ طیبہ کی ایک گلی سے دوسری گلی، ایک ایک سردار کے پاس دعوت اسلام لیکر جانے کا کیا مطلب.....؟

نیز آپ ﷺ جب حجرہ مبارک میں تشریف فرما ہوتے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم باہر مسجد میں آپ ﷺ کا انتظار کیا کرتے تھے۔ بتلائیے کہ آنحضرت ﷺ کا حجرہ سے مسجد کی طرف چل کر آنا کیا معنی رکھتا ہے؟

**حضور ﷺ کا حج و عمرہ اور اعتکاف:**

آنحضرت ﷺ نے عمرے بھی کیے اور حج بھی۔ مدینہ سے چل کر مکہ تشریف لے گئے اگر آپ ﷺ بہ یک وقت مدینہ میں بھی تھے اور مکہ میں بھی تو عمرہ کس طرح ہوا.....؟ ارکان حج میں سے ہے کہ وقوف عرفات کے دن کوئی شخص مکہ، مدینہ یا منی میں ہوگا تو اس کا حج ہرگز قبول نہ ہوگا اب بتلائیے کہ اگر نبی کریم ﷺ بہ یک وقت منی میں بھی تھے اور مزدلفہ میں بھی، عرفات میں بھی تھے اور مکہ و مدینہ میں بھی تو حج کس طرح ادا ہوا.....؟ فیصلہ آپ پر ہے یا تو اس بے سرو پا عقیدہ کو چھوڑ دیا ہمت کر کے

کہہ دو کہ آپ ﷺ نے تمام عمر حج و عمرہ ہی ادا نہیں کیا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان المبارک کا اعتکاف بھی کیا ہے۔ کیا ہر جگہ حاضر و ناظر کا عقیدہ ہوتے ہوئے مسجد میں اعتکاف کا تصور کیا جاسکتا ہے.....؟

نماز جنازہ کی جو عادیث میں مذکور ہے اس میں ”وَشَاهِدْنَا وَغَايِنَا“ کے الفاظ ہیں یعنی اے اللہ! جو موجود ہیں ان کو اور جو موجود نہیں ہیں ان کو بھی بخش دے۔ واضح ہوا کہ ایک انسان ایک وقت میں یا تو حاضر ہوگا یا غائب۔ ایک ہی وقت میں دونوں کا اجتماع محال ہے۔

نماز خوف کا طریقہ جو قرآن نے بتلایا ہے اس سے بھی آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کی واضح طور پر نفی ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

﴿وَلَا أَكُنْتُ فِيهِمْ﴾

”اور جب آپ (ﷺ) ان کے درمیان موجود ہوں“

**حضور ﷺ کا محفل میں تشریف لانا:**

اگر کسی متعین جگہ مثلاً کھار اور کا دعویٰ کیا جائے کہ وہاں محفل میلاد پر آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں تو یہ فقط ایک دعویٰ ہی ہے جس کی کوئی شرعی دلیل نہیں لہذا بے بنیاد دعویٰ باطل و مردود ٹھہرا۔ فرض کریں ایک ہی وقت میں دنیا میں ہزاروں محافل میلاد منعقد ہیں ان سب میں بہ یک وقت حضور ﷺ کس طرح اور کیوں کر تشریف لائیں گے.....؟ کیا یہ مذاق نہیں کہ آپ ﷺ ایک قدم اس محفل میں ہیں پھر دوسری میں پھر تیسری میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ کئی مقامات پر موجود ہوں۔ اور پھر اس دوران جو مسلمان آپ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام کا تحفہ پیش کریں گے اسے کون وصول کریگا؟ وہاں بھی کسی نائب کا تقرر کیا جانا ضروری ہے۔



پھر یہ بھی بتلایا جائے کہ اگر آنحضرت ﷺ مجلس میلاد میں تشریف لاتے ہیں تو کب اور کس وقت آتے ہیں؟ اس کا ثبوت کسی کے پاس نہیں اگر شروع ہی میں آ جاتے ہیں تو پوری میلاد میں کھڑے ہی رہنا چاہیے اگر درمیان میں آتے ہیں تو آدمی بیٹھ کر اور آدمی کھڑے ہو کر پڑھنی چاہیے۔ اس کا ثبوت کہاں ہے کہ مجلس کے ختم پر ہی آتے ہیں.....؟ اور پھر آپ ﷺ خود تشریف لاتے ہیں یا پڑھنے والوں کی چاہت سے آتے ہیں.....؟ بظاہر تو اہل محفل اپنی مرضی پر کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی مرضی سے بیٹھ جاتے ہیں۔ کبھی محفل میلاد جلدی ختم ہو جاتی ہے اور کبھی آدمی رات یا صبح تک اختتام ہوتا ہے یعنی جب چاہیں قومی ترانے کی طرح قیام کریں اور نبی کریم ﷺ کو بلا لیں گویا آپ ﷺ ان کے تابع ٹھہرے۔ جب آنحضرت ﷺ اپنی حیات میں ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے تو بعد الوفا کیسے ہو گئے؟ کیا آنحضرت ﷺ کے بارے میں حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنے والے خود کو ”صحابی“ کہلوانا چاہتے ہیں؟ اور پھر ایک نظر آج کل کی محافل پر بھی ڈال لی جائے۔ تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک بات کہے دیتے ہیں کہ معدودے چند افراد کے علاوہ کتنے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے لباس اور چہرے سنت رسول ﷺ میں ڈھلے نظر آتے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ معصیت کی کثرت پر نبی ﷺ کی معیت کے خالی خولی دعوے کچھ زیب نہیں دیتے۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حاضر و ناظر ہونے کی صفت کو یوں بیان فرمائی ہے کہ ہر لحظہ و ہر گھڑی وہ تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہوتا ہے:

﴿وَلَا يَعْصُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا أَمْرًا عَلَيْهِمْ شَهِودًا ۝۱﴾

”اور تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو بہر حال ہم برابر تم پر مطلع اور نگہبان ہوتے ہیں۔“

قرآنی آیت کے برخلاف کچھ نا سمجھ لوگوں نے تو محض اپنا بے سرو پا عقیدہ ثابت کرنے کیلئے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ حاضر و ناظر ہونا اللہ کی صفت ہی نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کے ننانوے (99) اسمائے حسنی میں سے نہیں ہے۔ یہ مجددانہ مغالطہ پر لے درجے کی گستاخی، سراسر علم سے دوری اور نفس پرستی کا مظہر ہے۔ گویا اس بات کا اعلان ہے کہ ہم اپنا دورنگی عقیدہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں خواہ قرآن و حدیث کے اصول ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹ جائیں۔ تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اللہ جل شانہ کے نام یہی 99 نہیں، چنانچہ مسلم شریف کے شارح علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار وہ نام ہیں جو قرآن کریم، صحیح احادیث اور سابقہ آسمانی کتابوں میں نازل کئے گئے ہیں۔ 1۔ نیز امام رازیؒ فرماتے ہیں: ”علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے (1000) نام مشہور و معروف ہیں“ 2۔ اس کے علاوہ اوپر ذکر کردہ آیتوں جو دو لفظ واقع ہوئے ہیں وہ اسماء حسنی میں شمار ہوتے ہیں۔

الشہید: یعنی اپنے علم محیط کے ساتھ ہر جگہ اور ہر گھڑی حاضر اور موجود۔

البصیر: یعنی اپنی قدرت کامل کے ساتھ ہر جگہ ہر گھڑی ناظر اور دیکھنے والا۔ 3۔

ام الاحادیث ”حدیث جبرائیل“ میں جب آنحضرت ﷺ سے صفت احسان

کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

ان تعبدوا اللہ کانک تراه فان لم تریو رے ہو۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر وہ تو

تکن تراه فانہ یراک 4۔ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

یعنی کوئی شخص دنیا کے کسی کونے میں، کسی زمانے میں اور کسی وقت بھی عبادت کرے تو

وہ اپنے دل پر اللہ کا دھیان جمائے کہ یقیناً اللہ میرے ساتھ ہے گویا ہر شخص اللہ کو ہر جگہ



دیکھنے پر قادر ہے معلوم ہوا کہ اللہ ہر جگہ حاضر ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے اعمال پر ہر لحظہ و ہر لمحہ اور ہر مقام پر نگاہ رکھے ہوئے ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ ہر ایک کو ناظر بھی ہے۔

اللہ کا حاضر و ناظر ہونا عقل کی میزان میں:

یہ بات عقلی طور پر بھی ثابت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ صفت حاضر و ناظر نہ ہو تو اس کی مخلوق بھوک و افلاس سے مر جائے، کسی مریض کو شفاء نہ ملے، ہر ظالم ظلم کرتا رہے نہ کوئی پوچھنے والا ہو اور نہ اسے کسی کا ڈر ہو۔ اللہ کا نافرمان اس دنیا میں بھی عیش کرے اور آخرت میں بھی پرسکون رہے۔ نیز اللہ کا حاضر و ناظر ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مخلوق کے احوال و افعال اور اعمال سے واقف ہو کیونکہ اسی نے روز قیامت حساب و کتاب لینا ہے۔ مخلوق اگرچہ اپنے کاموں میں منہمک ہو خواہ اسے اللہ کا تصور آئے یا نہیں البتہ اللہ اس کو برابر دیکھ رہا ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكَ بِمَا عَمِلْتُمْ لَبِصِيرٌ﴾

”بیشک وہ اللہ اپنے بندوں کی ہر طرح خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے“

یعنی اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے مگر اپنے علم و اقتدار اور تصرف و اختیار کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی شے بھی اس کے علم، خبر، سماعت اور بصارت سے اوجھل نہیں ہو سکتی اگر یہ نہ مانا گیا تو عقیدہ آخرت پر زد آئے گی۔ اس کے مقابلے میں حضور ﷺ کی ڈیوٹی اور مشن ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ملنے والے احکامات بندوں تک پہنچائیں اس کے لیے نہ عالم الغیب ہونا ضروری ہے نہ حاضر و ناظر ہونا۔ کیونکہ نہ تو آپ ﷺ کو کسی امتی سے حساب لینا ہے، نہ جزا و سزا دینا آپ کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی آپ ﷺ سے کسی کی گمراہی پر باز پرس ہوگی۔ قرآن کے مطالعہ سے یہی بات عیاں ہوتی ہے:

﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾

”ہر حال آپ (ﷺ) کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور رہا ان سے حساب لینا تو وہ ہمارے ذمہ ہے۔“ ایک اور مقام پر اللہ پاک نے واضح طور پر جناب رسول اللہ ﷺ سے عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کی نفی فرمائی ہے:

﴿وَمِنَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوْا عَلَى الْبَيْتِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾

”اور مدینے والوں میں کچھ ایسے منافق بھی ہیں جو نفاق کی حد کمال کو جانچتے ہیں۔ آپ (ﷺ) ان کو نہیں جانتے بلکہ ہم جانتے ہیں۔“

گویا کہ اس آیت میں اللہ نے اصول بتلایا ہے کہ نہ آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب کہا جائے اور نہ ہر جگہ موجود اور ہر ایک کی خبر رکھنے والا سمجھا جائے۔ یہ منافقین دور کے نہیں بلکہ قریب کے رہنے والے تھے جن سے ہر وقت واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ جب تک اللہ نے آپ ﷺ کو ان کی خبر نہ دی آپ کو خبر نہیں ہوئی۔ کچھ کو مغر لوگوں نے کلمہ طیبہ سے بھی استدلال کر لیا کہ اس میں ”محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں“ آتا ہے ”تھے“ تو نہیں۔ لہذا آنحضرت ﷺ حاضر و ناظر ہوئے تو بھائی! رسالت تو تاقیامت باقی ہے اس سے کس نے انکار کیا ہے؟ کیا باپ کے دنیا سے جانے پر اس کے باپ ہونے کی صفت ختم ہو جاتی ہے؟؟

نبی کریم ﷺ کا ہر جگہ حاضر و ناظر نہ ہونا کمال نبوت ہے۔ چنانچہ کلام پاک میں ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبٍ... وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾

”اے نبی! (ﷺ) آپ کو وہ طور کے پیچھے کی طرف موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پیغمبر بنایا اور نہ آپ وہاں حاضر تھے“



آنحضرت کو حاضر و ناظر ماننے والا فریق تین دلائل پیش کرتا ہے جو درحقیقت غلط فہمی اور کم علمی پر مبنی ہیں۔ آئیے ان مغالطوں کا جائزہ لیں:

پہلا مغالطہ (حضور ﷺ امت پر گواہ ہیں)

کلام پاک میں ہے:

﴿وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ 10

”اور رسول (ﷺ) تم پر گواہی دیں گے“

فریق ثانی کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ امت کے احوال کی گواہی اسی صورت میں دے سکتے ہیں جب آپ ﷺ حاضر و ناظر ہوں۔ یہ بات محض غلط فہمی کی بنا پر ہے۔ قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں گواہ کے لئے خود اصل واقعہ کا دیکھنا اور معائنہ کرنا ضروری نہیں۔ کسی معتبر شخص کے بتلانے پر یا کسی معقول وجہ جیسے وحی وغیرہ سے معلوم ہو جانے پر بغیر دیکھے بھی گواہی دی جاسکتی ہے۔ فقہائے احناف نے وضاحت کی ہے کہ بہت سے معاملات مثلاً نسب، موت، نکاح وغیرہ کی شہادت بن دیکھے بھی درست ہے۔ ۷۲

ہرمؤمن کی اپنی اذان میں کلمہ شہادت پڑھتا ہے اور ہرمؤمن کلمہ شہادت کا اقرار کرتا ہے۔ کیا اس نے اللہ کو یا جبرئیل علیہ السلام کو اللہ کے رسول ﷺ پر وحی لاتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر نہیں تو بتلائیے کہ یہ شہادت کس طرح درست ہوئی؟ یا ہرمؤمن اور ہرکلمہ گو حاضر و ناظر ہے۔ دوسرے یہ کہ گواہی اعمال پر نہیں بلکہ اس امر پر ہوگی کہ خالق کا پیغام مخلوق تک پہنچایا گیا تھا یا نہیں؟ اور اس کے لیے حاضر و ناظر ہونا قطعاً ضروری

نہیں۔ اگر لفظ شاہد و شہید سے آنحضرت کو حاضر و ناظر ماننے پر اصرار ہی ہے تو پھر قرآن میں یہ الفاظ مومنین کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ ہیشار آیات میں سے ایک یہ ہے:

﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ ١

”سوائے اللہ! تو ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دے۔“

یہاں مومنین کی دعا ہے کہ ہمارا شمار ان لوگوں میں کر دیجیے کہ جو اللہ کی وحدانیت اور پیغمبروں کے احکام لوگوں تک پہنچانے کی گواہی دیتے ہیں مومنین کی دعا کی یہ غرض ہرگز نہیں کہ اے اللہ! ہمیں حاضر و ناظر شمار کر لیجیے۔

دوسرا مغالطہ (حضور ﷺ قبروں میں تشریف لاتے)

قبر میں یہ سوال ہوگا ”مَا تَقُولُ فِیْ حَقِّ هَذَا الرَّجُلِ“ یعنی تم اس شخص (محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے ہو.....؟ ان کے کہنا ہے کہ ملائکہ جب اشارہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ بنفس نفیس اس قبر میں موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ ”هَذَا“ اشارہ قریب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب آپ ﷺ اس قدر قبروں میں جا سکتے ہیں تو ہماری محفل میلاد میں کیونکر حاضر و ناظر نہیں ہو سکتے.....؟

میرے عزیز! اصل میں یہ کوئی قاعدے کی بات نہیں کہ ہذا ہمیشہ قریب کے لئے ہی ہوگا، چنانچہ کلام پاک میں ہے:

﴿هَذَا مَا تُوْعَدُونَ﴾ ۛ

”یہ جنت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔“



کیا جنت بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے.....؟ علامہ قسطلانی اس مسئلے میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی یا مقام مشہور و معروف ہو جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہو اسے لفظ کے الفاظ کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں اگرچہ دور ہو اور آنحضرت ﷺ کی شخصیت ہی ایسی شان والی ہے کہ اشارے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ اور پھر اس مسئلہ پر ذرا عقل سے سوچا جائے کہ دن میں کتنی اموات ہوتی ہیں؟ کوئی پانی میں ڈوب گیا کوئی جل کر راکھ ہو گیا، کوئی کسی زمین میں دفن ہوا اور کوئی کسی میں۔ مرنے والا مومن بھی ہے، کافر بھی یہ گستاخی نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ ﷺ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر میں بھی لے جایا جائے اور ابو جہل لعین کی قبر میں بھی۔ یہ تکریم نہیں نری تو ہیں ہے۔ کافر کو قبر میں یقیناً عذاب سے واسطہ پڑے گا جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات باعث امن و رحمت اور دافع عذاب و بلا ہے۔ آپ جہاں چلے جائیں وہاں عذاب کا نام و نشان تک نہیں ہو سکتا۔

تیسرا مغالطہ (ہم التحتیات میں حضور ﷺ کو حاضر کہتے ہیں) التحتیات میں "السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" پڑھا جاتا ہے جس کے معنی ہیں کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ پر سلامتی ہو۔ یہاں آپ ﷺ سے براہ راست خطاب ہے لہذا آپ ﷺ حاضر و ناظر ہوئے۔

یہ دعویٰ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس مسئلہ میں فرماتے ہیں: "چونکہ آنحضرت ﷺ معراج میں اللہ کے روبرو حاضر تھے اس لئے اللہ نے آپ کو مخاطب کیا تھا اور آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دیتے وقت جس طرح اللہ سے سنا تھا اسی طرح برقرار رکھا اور امت تک پہنچا دیا۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط:

حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد ہے: "جب تک آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے ہم السلام علیک اَیُّهَا النَّبِیُّ پڑھا کرتے تھے مگر جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو ہم اس کے بجائے "السلام علی النبی" کہنے لگے۔ البتہ بعد میں رجوع کر لیا کہ ہم آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں کونسا آپ کو سنانے کی نیت سے پڑھتے تھے.....؟"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس قدر احتیاط برتنے کا مقصد یہ عقیدہ واضح کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے خطاب کا صیغہ اس وجہ سے استعمال نہیں کیا جاتا کہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں بلکہ التحتیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ تہنیتی و تحسینی الفاظ بطور حکایت مذکور ہیں جو معراج کے موقع پر حضور ﷺ سے کہے گئے تھے۔ اس میں سننے یا سنانے والی کوئی بات نہ تھی اس کی مثال اس طرح ہے کہ ہم دور دراز اپنے عزیزوں کو خطوط میں السلام علیکم سے خطاب کرتے ہیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب ہمارا خط پہنچ جائے گا تو اس وقت ان سے خطاب ہو جائے گا ورنہ خط لکھتے وقت کوئی انہیں حاضر و ناظر نہیں سمجھتا۔ اس جیسی مثالیں کام پاک میں بھی ہیں۔ اگر کسی وقت کسی فرد کو اس کی موجودگی میں خطاب ہوا تھا تو آج بھی اسی طرح پڑھا جاتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی گستاخی پر جواب دیتے ہوئے فرمایا:



﴿وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يُفْرَعُونَ مَثْبُورًا﴾<sup>1</sup>

”اور اے فرعون! میرے گمان میں تو ہلاک ہوا چاہتا ہے۔“

کیا اس سے فرعون کے بھی حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ اخذ کیا جائے گا؟؟

آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجنا

حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سے احکام ارشاد فرمائے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ لیکن کسی حکم میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں لہذا تم بھی کرو۔

یہ اعزاز و اکرام صرف سید الکونین محمد ﷺ ہی کے لئے ہے کہ اللہ نے

آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کی نسبت پہلے اپنی طرف کی پھر اپنے پاک فرشتوں کی طرف کی اس کے بعد مسلمانوں کو اس کا حکم دیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾<sup>2</sup>

”بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں۔“

اے ایمان والو! تم بھی آپ (ﷺ) پر رحمت بھیجو اور خوب سلام بھیجتے رہا کرو۔“

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو ہم نے

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختیارات کے

ذریعے آپ ﷺ پر سلام بھیجنے کا طریقہ بتلادیا ہے اب صلوٰۃ کا طریقہ بھی ارشاد فرما

دیجیے۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اس طرح پڑھا کرو:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُبْدِينَ

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُبْدِينَ

آنحضرت ﷺ کی تبرک، قابل احترام اور رحمتہ للعالمین شخصیت کی عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ امت کی طرف سے بھیجے گئے درود و سلام آپ ﷺ تک پہنچانے کے لئے اللہ نے قدسی صفات نفوس فرشتے متعین و مامور فرمادیئے ہیں۔ ایک مومن کی متاع حیات یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام بھیجے خود کو سعادت مندوں میں شمار



کرائے لیکن اس میں طریقہ بھی وہی اختیار کیا جائیگا جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو۔ ذخیرہ احادیث میں کوئی ایک معمولی درجے کی روایت بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ میں درود و سلام کو بذات خود ملائکہ کے واسطے کے بغیر سنتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

ہٰذَا اِنَّ لِّلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْاَرْضِ "یشک اللہ کی طرف سے زمین میں کچھ فرشتے اس کام پر مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے پڑھے گئے سلام مجھے پہنچائیں"

ملا علی قارئی اس کی شرح میں رقمطراز ہیں: یہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو قبر مبارک سے دور ہو اور یہ خیال بالکل غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک مومنوں کے گھروں میں موجود ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

مَنْ صَلَّى عِنْدَ قَبْرِی سَمِعْتُهُ وَمَنْ "جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھے گا میں اسے خود سنوں گا اور جو مجھ پر دور سے درود پڑھے گا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا۔"

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے امت کو کثرت درود و سلام کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَیَّ فَاِنْ صَلَوَتُکُمْ تَبْلُغُنِیْ "اور مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ تم جہاں حیث کنتم۔"

مندرجہ بالا صحیح احادیث اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ورنہ قبر مبارک اور دروازے کے مقام سے درود شریف پڑھنے کا ایک ہی حکم ہوتا نیز اس میں درود و سلام کے قبول ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ فرشتوں نے

اسے قبول کیا اور اٹھا کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ ادھر ہماری حالت یہ ہوئی کہ اپنے سلام کو "صبا" کے حوالے کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے ان حضرات کے فرشتے کا نام صبا ہو۔ بعض عقل کے کورے، علم سے عاری لوگ یہاں بھی تاویلات کے ذریعے ذہنی اختراعات کرتے باز نہیں آتے۔ احادیث رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے ان کا قیاس ہے کہ اگر ہم یہاں بیٹھے دعویٰ و فرانس کی خبریں ریڈیو وغیرہ سے سن سکتے ہیں تو ہمارے نبی ﷺ درود کو براہ راست کیوں نہیں سن سکتے.....؟ ہمارا ایمان وہی ہونا چاہیے جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا البتہ ان کی تسلی خاطر کے لئے عرض ہے کہ ریڈیو کی آواز عالم اسباب میں بجلی اور ہوا پر موقوف ہے تو جس طرح بغیر بجلی و ہوا کے بغیر ریڈیو کی آواز نہیں سنی جاسکتی اسی طرح قانون خداوندی ہے کہ بغیر فرشتوں کے آپ ﷺ درود و سلام کو بھی نہیں سن سکتے۔

## آجکل کی مروجہ محافل کے نقائص

اللہ تعالیٰ سے ہر آن، ہر گھڑی دعا ہے کہ ہمیں ایسا عشق رسول ﷺ نصیب فرمائے جس کا مظاہرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عملی طور پر کر کے دکھلا گئے کہ امتحان محبت میں کامیابی و ناکامی کا معیار یہی ہو کہ دعویٰ محبت اور اظہار محبت کے طریقے محبوب کے موافق ہیں یا مخالف؟ سب سے پہلی بات تو یہ کہ مروجہ محافل مولود کی بنیاد خیر القرون گزرنے کے بعد 625 ہجری میں ایک جاہل و مسرف بادشاہ نے ڈالی ہے اور وہ بھی صرف ایک محفل کی حد تک تھی (اور نفس ذکر و لادت شریف سے کسی کو انکار نہیں کہ یہ تو اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روح ایمان ہے) لیکن وقت کی فضا سے مطابقت پیدا کرنے اور عوام کے نزدیک جاذب نظر بنانے کے لئے اسے بتدریج ترقی دیتے دیتے انعقاد محفل کا اصل مقصد ظاہری رسوم میں کھو گیا ہے عشق رسول ﷺ کے عنوان سے چوری کی بجلی اور چندے کی جدید صورت (بھتے) سے بچے ہوئے شامیہ نے محفل کی بجائے میلے کا سماع پیش کرتے ہیں جن میں



مردوزن کا آزادانہ اختلاط، حقوق نسواں کی پاسداری میں عورتوں کو سر بازار لا کر ان کی لہلہائی آواز کا اوباشوں کے کانوں میں پڑنے سے صغیر نازک کی عفت و عصمت پر حرف آنا، تصویر کشی و مووی بینی، شبیہ و عرس میں توالیوں کے نام پر جدید مغربی ثقافت کے زیر اثر موسیقی کی شدت و حدت کو نغموں میں سمو کر اور نعتوں کے اشعار کو ہندوستانی گانوں کی دھن اور قافیہ پیمائی میں تحلیل کر کے یہ قوم گویوں کے ذریعے اللہ سے اپنا تعلق استوار کرنے کی خواہاں ہے مووی بنوانے کے شوق میں بے وجہ اچھل کود، داد دے داد کے نام پر مال بٹورنا، محفل میں لگی ایک بے نام سی قنات سے ظاہر ہوتا ہے بیکہ انج پر بیٹھے مشائخ تمام خواتین کے محرم ہیں۔ کچرے خانے اور ملی کتوں کے فضلات صاف کر کے وہاں بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ کی شبیہ رکھ کر مقامات مقدسہ کی بے حرمتی اور مکہ المکرمہ اور مدینہ المنورہ کی حیثیت و عظمت کو گھٹانا، ہر چوک و چوپال پر آنحضرت ﷺ سے منسوب گچی جھوٹی اشیاء کی زیارت کرانے میں طوفان بد تمیزی برپا کرنا اور ان جیسے بیشمار مناسد و اغل و شامل ہیں بلکہ ان خرافات کو مذہبی رسومات کا درجہ دیا جاتا ہے۔ نہ مساجد کے تقدس کا لحاظ ہے نہ مریض و ضعیف حضرات کا خیال، جس کسی ہسپتال کے قرب و جوار میں محفل بپا ہو جائے وہاں کے مریضوں کو مرگ مفاجات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جدت کی طلب میں اپنی اصلیت ہی فراموش کر دی گئی ہے۔ ہمارے یہ اضافی ایڈیشن حقیقت اسلام کی تصویر بگاڑ رہے ہیں۔

حالانکہ دو ٹوک بات یہ ہے کہ عقیدہ حاضر و ناظر کی موجودگی میں یوں گلے پھاڑنا اور دھینکا مستی کسی طور پر مستحسن نہیں۔ کلام پاک نے کھلے لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ ”اگر اہل ایمان ہو تو نہ نبی ﷺ سے اپنی آواز بلند کرو نہ انہیں آپس میں ایک دوسرے کی طرح پکارو ورنہ تمام اعمال برباد ہو جائیں گے“۔

فیصلہ آپ پر ہے یا تو عقیدہ حاضر و ناظر سے تاب ہو جائے یا مساجد میں بیٹھ کر بالکل اسی طرح ادب احترام سے درود و سلام کا ہدیہ پیش کیجیے جس طرح کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کے روضہ پاک پر حاضری کے وقت کیفیت ہوتی ہے۔

### احادیث طیبہ اور عقیدہ حاضر و ناظر

اب ہم احادیث طیبہ کے ذریعے آنحضرت ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے یا نہ ہونے پر روشنی ڈالیں گے۔

روایات میں ہیکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ (اصحی) کا

غائبانہ نماز جنازہ پڑھایا ہے۔

جب آنحضرت ﷺ حاضر و ناظر تھے تو جنازہ کیونکر غائب تھا؟ کیا حاضر و ناظر سے بھی کوئی شے غائب رہ سکتی ہے؟

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے مسلمانوں کی روانگی کے وقت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

”کثرت لشکر کی وجہ سے اگر کوئی شخص یہ خیال کر کے شریک نہ ہوتا کہ جب تک

نبی ﷺ برومی نہیں آئے گی آپ کو اس کی اطلاع نہیں ہو سکتی تو اس کا یہ خیال صحیح تھا“۔

اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر تھے تو کسی کا آپ ﷺ کی نظروں سے مخفی رہنے کا کیا

سوال؟ معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عقیدہ ہوا کرتا تھا کہ اللہ کا نبی ﷺ

غیب دان اور حاضر و ناظر نہیں بلکہ پابند وحی ہوتا ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ چند صحابہ رضی



اللہ عنہم کے ساتھ باہر نکلے تو ایک تازہ قبر دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کس کی قبر ہے؟  
صحابہ نے جواب دیا: بنی فلاں کی باندی کی قبر ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بتلانے پر  
آپ ﷺ نے اسے پہچان لیا پھر اس کی قبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور فرمایا:  
”جب تک میں تمہارے درمیان موجود ہوں کسی بھی میت کو مجھے اطلاع  
دیئے بغیر دفن نہ کیا جائے کیونکہ میری دعا باعث رحمت ہے“ 1

پہلی بات تو یہ کہ کیا حاضر و ناظر اور عالم الغیب سے بھی کسی کی موت مخفی رہ سکتی  
ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی جانتے تھے کہ آپ کو علم غیب نہیں ورنہ  
کہہ دیتے کہ آپ سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی ہم سے سوال کر رہے ہیں۔  
دوسری بات یہ بھی واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ ہر قبر میں بنفس نفیس تشریف نہیں  
لے جاتے ورنہ پہلے ہی فرما دیتے کہ رات میں فلاں قبر میں گیا تھا جس میں ایسا مردہ  
تھا جس کی نماز میں نے نہیں پڑھائی چلو اس کی نماز پڑھیں۔

تیسری بات یہ کہ اگر آنحضرت ﷺ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر اور اپنی امت  
میں موجود ہیں تو یہ کیوں فرمایا کہ ”جب تک میں تمہارے درمیان موجود ہوں“ آپ  
ہی بتلائیں کہ آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان موجود بھی ہیں اور ہم بد بخت ہیں کہ خود  
ہی جنازے پڑھا رہے ہیں یہ تو آپ ﷺ کی کھلی نافرمانی اور ایک طرح سے توہین  
نصبری کہ منبر و محراب کی زینت ہم بنیں اور امت کو رسول پاک ﷺ کی امامت اور  
دعا سے محروم کیے رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ۳۰ھ میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں نو صحابہ

رضی اللہ عنہم کا لشکر جاسوسی کے لئے بھیجا۔ مقام ہدہ پر دشمنوں نے انہیں گھیر کر آٹھ  
افراد کو موقع پر ہی شہید کر دیا اور سالار قافلہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو مکہ لے جا کر تختہ  
دار پر لٹکا دیا۔ آپ کی زبان پر شہادت کے وقت یہ الفاظ تھے:  
”اے اللہ! ہمارے حالات سے اپنے نبی  
ﷺ کو آگاہ کر دے۔“

اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر ہوتے تو جاسوسی کی نوبت ہی پیش نہ آتی بلکہ خود ہی  
مدینے میں بیٹھ کر دشمن کے حالات بتلا دیتے۔ آنحضرت ﷺ دور نہیں مدینہ ہی میں  
عام افراد کے لئے نہیں اپنے صحابہ کے لئے عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہ تھے تو اور  
کہاں اور کس کے لئے ہونگے؟ نیز صحابہ کرام بھی یہ جانتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ ہر  
جگہ حاضر و ناظر نہیں جواز خود ہمارے احوال جان لیں بلکہ اللہ کے خبر دینے سے ہی  
آپ کو ہماری خبر ہوگی۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں جب معراج سے لوٹا تو مشرکین مکہ نے امتحاناً  
مجھ سے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھنا شروع کر دیں۔ مجھے صحیح سے معلوم نہ تھا اور نہ  
ہی میرے جانے کی یہ غرض تھی۔ سو ابو جہل اینڈ کمپنی نے آپس میں چہ گوئیاں شروع  
کر دیں آپ ﷺ کے الفاظ ہیں:

”فکرت کربة ما کربت مثله قطع“ ”میں اس قدر پریشان ہوا کہ اس سے پہلے  
کبھی پریشان نہ ہوا تھا۔“

پھر اللہ نے تھوڑے وقت کے لئے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا وہ جو کچھ



پوچھتے جاتے ہیں دیکھ دیکھ کر جواب دیتا جاتا۔ اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر تھے تو ان کے سوال پر پریشان کیونکر ہوئے؟ نیز اس کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ بیت المقدس کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیں؟

۴۰۴؎ میں قبیلہ رعل و ذکوان کے ایک وفد نے سازش کے تحت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر تبلیغ دین کے لئے کچھ لوگ مانگے۔ آپ ﷺ نے اصحاب صفہ میں سے ستر قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ بزم معونہ کے مقام پر پہنچے تو کفار نے دھوکہ سے کعب بن یزید اور ایک صحابی کے علاوہ باقی سب کو شہید کر ڈالا آنحضرت ﷺ اس واقعہ سے بہت ہی مغموم ہوئے اور ایک ماہ تک نماز میں ان ظالموں کے لیے بدعا فرماتے رہے۔

اگر آپ ﷺ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہوتے تو ان مشرکین کو سازش کرتے ہوئے یقیناً دیکھا اور سنا ہوتا اور ان کے ناپاک عزائم سے پیشگی مطلع ہوتے۔ اس عقیدہ کی بنیاد پر تو نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ پر الزام آئے گا کہ جانتے بوجھتے کیونکر آپ ﷺ نے اپنے مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان وحشیوں کے حوالے کیا۔ کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ فریق ثانی کے نزدیک آپ ﷺ صاحب تصرف ہونے کے ساتھ ساتھ اطراف زمین میں آ جا بھی سکتے ہیں اس کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے لئے کچھ نہ کیا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے فرمایا:

”اے لوگو! خدا کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ میں تم سے

اس سال کے بعد اس جگہ ملاقات نہ کر سکوں“۔

آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے خصوصاً میدان عرفات میں حاضر و ناظر نہیں ہو سکتے تو اور کس کے لئے، کہاں ہو گئے؟ اور ذرا غور تو فرمائیے آپ ﷺ کی وفات کا علم بھی تو علم غیب میں داخل تھا، جس سے عالم الغیب ہونے کی صورت میں آگاہ ہونا ضروری تھا لیکن آپ ﷺ خود اس سے لاعلمی کا اعلان فرما رہے ہیں۔

عبداللہ بن ابی منافق تنوک سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتا آ رہا تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سن کر اپنے چچا کو بتلادیا اور یہ بات آنحضرت ﷺ تک جا پہنچی۔ منافق کی پیشی ہوئی تو اس نے چرب زبانی اور جھوٹی قسموں سے خود کو بچا لیا حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”فكذبني رسول الله ﷺ“ رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھوٹا جانا اور اس

وصدقہ ہے۔ منافق کو سچا ٹھہرا دیا۔

کچھ ہی دیر گزری اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حقیقت حال سے پردہ اٹھا دیا اور آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اللہ نے تیری تصدیق کر دی ہے۔ حاضر و ناظر ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایک ہی سفر میں پیش آنے والے واقعہ کی روئداد آنحضرت ﷺ کو تفصیلاً معلوم ہونی چاہیے تھی جبکہ ایسا نہیں ہوا۔ اور یہ بشری شان ہی تو ہے کہ مقدمے میں کسی فریق کو بے قصور سمجھ کر اس کی



رعایت کردی تو اللہ تعالیٰ نے بلا تامل تنبیہ کی آیتیں نازل فرمادیں۔ آپ ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر ماننے سے تو یہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ نے جانتے بوجھتے جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا قرار دیا۔ (اعاذ اللہ منہ)

## فقہائے احناف اور عقیدہ حاضر و ناظر

اب ہم میں علمائے احناف کے فتاویٰ جات کی روشنی میں عقیدہ حاضر و ناظر پر نظر ڈالتے ہیں۔ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ اہلسنت کی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں:

من قال ارواح المشايخ حاضرة تعلم "جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ مشائخ کی روہیں حاضر ہیں اور وہ سب جانتی ہیں تو یکفر۔"

یہ شخص کافر ہو جائے گا۔

شیخ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ سبحانہ و تقدس کلی و جزئی تمام احوال پر مطلع و حاضر ہیں سوان سے حیا کیا کرو" نیز علمائے احناف علامہ برہان الدین (صاحب ہدایہ) علامہ بدر الدین عینی (شارح بخاری) ابن ہمام اور امام محمد بزاز رحمہم اللہ اپنی تصانیف میں فرماتے ہیں: "جو شخص آنحضرت ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

خلاصہ کلام:

ایک ہی وقت میں کائنات کی ہر شے کے اوّل سے آخر تک تمام حالات اللہ تعالیٰ

1۔ فتاویٰ بزازیہ صفحہ 326 عالمگیری صفحہ 326، بحر الرائق جلد 5 صفحہ 124

2۔ مکتوب 78 جلد 2 صفحہ 68 3۔ عمدة القاری جلد 11 صفحہ 520، سناہرہ

جلد 2 صفحہ 88، فتاویٰ بزازیہ صفحہ 325

کی نظر میں ہیں۔ وہ ہر جگہ، ہر گھڑی اپنے علم محیط کے ساتھ بے مثل طور پر موجود اور ہر ایک کو اپنی قدرت کامل کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔ باری تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح حاضر و ناظر ہونا بھی اللہ کے ساتھ خاص ہے جس میں کوئی مخلوق کسی حیثیت سے اس کی شریک نہیں۔ قرآن کریم احادیث طیبہ، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہ حنفی کی روشنی میں آنحضرت ﷺ نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، نہ آپ نے کبھی اس کا دعویٰ کیا اور نہ ہی منصب نبوت و رسالت کے لئے حاضر و ناظر ہونا ضروری ہے بلکہ آپ ﷺ اپنے روضہ اطہر میں آرام فرما ہیں۔ دنیا میں بے شمار مقامات ایسے ہیں جہاں آپ ﷺ کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا بے ادبی اور توہین ہوگی اسی طرح اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھنا ان کی تعلیمات کے یکسر خلاف، دین کے نام پر بہت بڑی جسارت اور گناہ عظیم ہے۔ نیز آپ ﷺ کو حاضر و ناظر ماننے سے آپ کی ہجرت مدینہ کا انکار لازم آتا ہے۔



## مختارِ کل کا مفہوم:

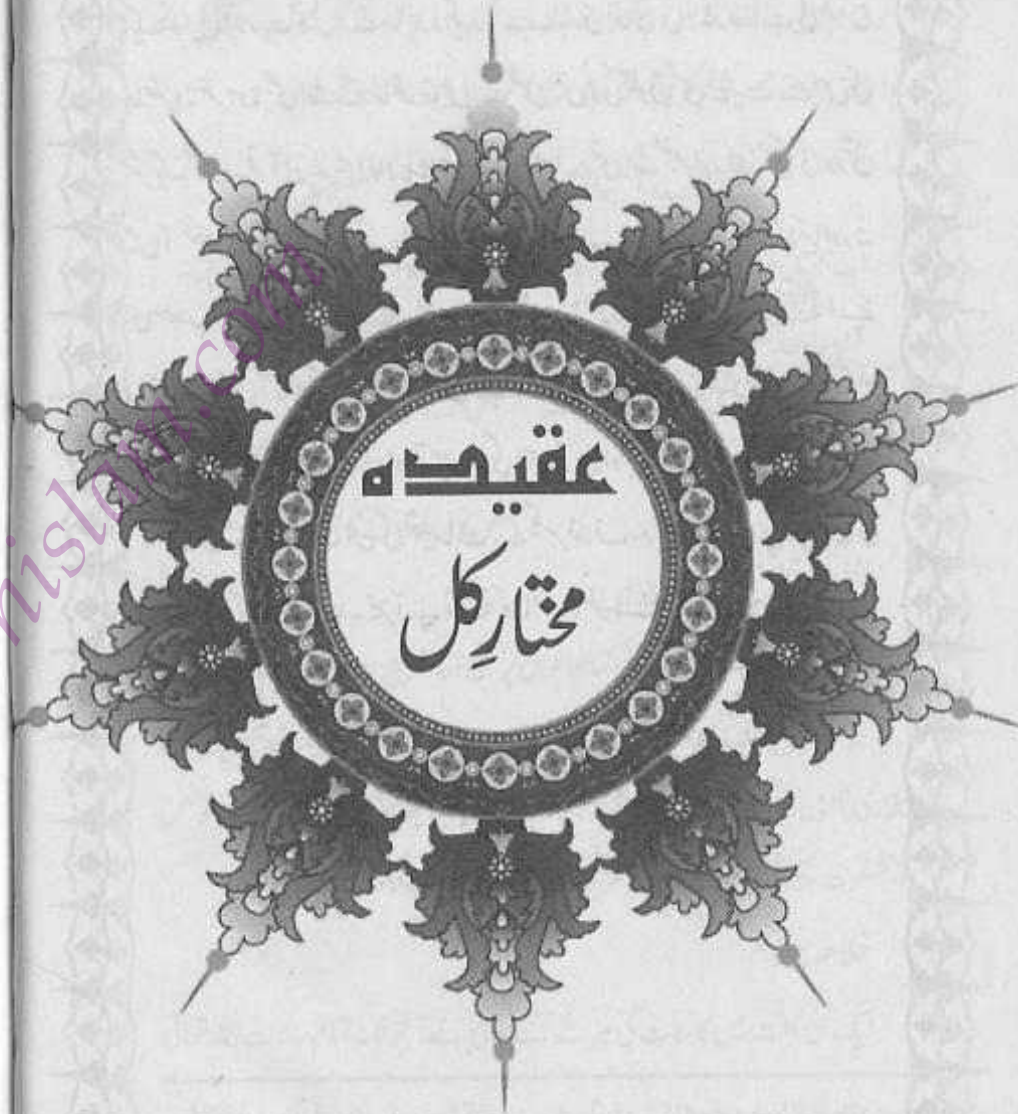
مختارِ کل سے مراد ایسی ہستی ہے جو با اختیار ہونے کے ساتھ ہر شے پر تصرف کا حق بھی رکھے اور سب اسی کے آگے سجدہ ریز ہوں۔ اس کے اوپر کسی کی حاکمیت تسلیم نہ کی جاسکتی ہو۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ ۚ﴾

”اور وہی اللہ آسمانوں میں معبود ہے اور وہی زمین میں معبود ہے“

وصفِ بشریت ہی سے ملا ہوا ایک پہلو وصفِ عبدیت کا ہے۔ یہ عبدیت کا پہلو بھی شرکوں کی سمجھ میں کبھی نہیں آیا۔ ہر بزرگ و مقدس ہستی ان کے خیال میں بہر حال فوق البشر ہوگی اور جب فوق البشر ہوگی تو عبد محض کیسے ہو سکتی ہے.....؟ لا محالہ یا تو خدا ہوگی یا نیم خدا، دیوتا یا دیوی اور اس حیثیت سے خالق یا فاطر نہ سہی لیکن کسی درجہ میں معبود، حاجت روا، مشکل کشا اور مختارِ کل تو ضرور ہوگی۔ کلامِ پاک نے اس جاہلی مغرور سے کی تردید ہر پہلو اور ہر جہت سے کی ہے اور پیغمبروں کی عبدیت کا شد و مد کے ساتھ اثبات کرتے ہوئے سمجھایا ہے کہ انہیں عبدیت سے ذرا بھی بے نیازی نہ تھی بلکہ وہ تو خود اپنے رب سے التجا و نیاز اور دعا و مناجات میں لگے رہتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے لئے خدائی صفات مثلاً علم غیب اور حاضر و ناظر ثابت کرنے کا صاف صاف نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ کو خدائی اختیارات میں بھی حصہ دار ٹھہرایا جائے۔ کیونکہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ فلاں شخص مصیبت و تکلیف میں ہے اور وہ اس کے





ازالہ پر قادر نہ ہو تو اور زیادہ افسوس ہوگا کہ کاش! مجھے قدرت ہوتی تو میں اس کی تکلیف دور کر دیتا یعنی بغیر قدرت و دسترس کے علم غیب اور حاضر و ناظر ہونے کی صفات شان و کمال کی بجائے نقص اور نقصان دہ قرار پائیں گی۔

رسول اللہ ﷺ کا مقام و مرتبہ:

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات سے علوم مرتب، جلالت شان اور ختم نبوت کے لئے صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ہی چنا ہے۔ اس شان اور وصف میں آپ کا ہم پلہ و ہمسر کوئی نہ پہلے تھا نہ اب ہے اور نہ ہی آئندہ ہوگا۔ البتہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ آپ ایسے اعمال بتلائیں جن کے کرنے سے مخلوق خدا جنت میں داخل ہو اور جہنم سے نجات پاسکے یہی وجہ ہے کہ اللہ نے فخر رسل ﷺ کی زبان مبارک سے اپنی محکم کتاب میں بطور قانون یہ اعلان کروا دیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی ذات میں صاحب اختیار نہیں بلکہ پروردگار کی طرف سے جاری ہونے والے احکام کے پابند ہوا کرتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَلِيتُمْ مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي﴾

”آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے آنے والے حکم کا پابند ہوں۔“

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تکوینی و تشریعی طور پر مختار کل صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ اس نے مافوق الاسباب اختیارات کسی کو نہیں دیئے البتہ کسی سبب کے تحت امداد و اعانت کرنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھ پر بطور معجزہ اور اولیاء کے ہاتھ پر بطور کرامت جو کچھ ظاہر فرماتے ہیں

وہ حق ہے اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن وہ بھی براہ راست اللہ کا فعل ہے جو اسی کی قدرت سے ظہور میں آتا ہے۔ اس وجہ سے ان برگزیدہ ہستیوں کو خدائی اختیارات میں شراکت دار اور کائنات کا مالک و مختار سمجھنا حماقت محض ہے۔ وکیل احناف امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو حکم اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو ملا وہ اسی طرح امت تک پہنچا دیا اس میں مختار کل ہونے کے کیا معنی؟

حضور ﷺ کو مختار کل ماننے کا نقصان:

قرآن پاک اور احادیث طیبہ کی رو سے تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ جناب رسول پاک ﷺ قیامت کے دن اللہ کے حکم سے اپنے گنہگار امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ جبکہ مختار کل کو کسی کی شفاعت و سفارش کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اپنے اختیار سے جس کو چاہے جنت میں اور جسے چاہے جہنم میں بھیج سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس عقیدے کے ہوتے ہوئے شفاعت نبوی ﷺ کا انکار لازم آئے گا۔

قرآن کی رو سے مختار کل کون ہے.....؟

کلام پاک میں آنحضرت ﷺ کے عظیم منصب رسالت کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایمان والوں کو جن اعمال کے کرنے کی ہدایت کرتے ہیں یا جن اعمال سے روکتے ہیں اس میں خود آپ ﷺ کی ذاتی پسند یا ناپسند کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ سب اللہ کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے کیونکہ لفظ رسول و نبی کا معنی ہی ”پیغام رساں اور خبر دینے والے“ کے ہیں یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام کر دیا، رسول ﷺ کا کام یہ ہے کہ وہ وحی پا کر لوگوں کو اس کی خبر دیدیں:



﴿كَانَ يَطْلُقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيُ يُوحَىٰ﴾<sup>1</sup>

”آپ (ﷺ) اپنے جی کی خواہش سے نہیں بولتے یہ تو آپ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے۔“  
یعنی رسول اللہ ﷺ دین کی تعلیمات سے متعلق جو حکم دیتے ہیں وہ ذاتی طور پر رسول ﷺ کا دیا ہوا حکم نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی مرضی کے مطابق اور وحی کے تابع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے یہ اعلان بھی کروا دیا کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کی عبادت اللہ کے لئے ہوتی ہے اسی طرح ان کا جینا و مرنا بھی اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے:

﴿قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾<sup>2</sup>

”آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا

اللہ ہی کے لئے ہے جو بارے جہان کا پالنے والا ہے۔“

ایک اور مقام پر مومنوں کو بارگرایا گیا ہے کہ آپ ﷺ متصرف فی الامور نہیں ہیں کہ انہیں مجبود و معبود بنا لیا جائے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي..... لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾<sup>3</sup>

”آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں تو صرف اپنے پالنے والے کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور یہ کہ میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک و مختار بھی نہیں۔“

اس کے ساتھ یہ امر بھی واضح کر دیا کہ آنحضرت ﷺ خداوندی صفات کے حامل، عالم الغیب اور مختار کل ہرگز نہیں ورنہ آپ ﷺ کو کبھی بھی حالات زمانہ اور دشمنوں کی طرف سے تکلیف و مصیبت نہ پہنچتی جیسے دندان مبارک کا شہید ہونا، چہرہ

1۔ سورہ نجم آیت 4 2۔ سورہ انعام آیت 126

3۔ سورہ جن آیت 21

مبارک کا زخمی ہونا، یہود بے بہبود کی طرف سے زہر اور جادو وغیرہ کا اثر ہونا وغیرہ، ملاحظہ فرمائیے:

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا..... الْخَيْرُ وَمَا مَسَخَى الشُّؤْءُ﴾<sup>1</sup>

”آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات کے نفع اور برے کا بھی اختیار نہیں رکھتا اللہ ہی جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر میں غیب کی باتیں جان لیتا تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی برائی نہ پہنچتی۔“

جب آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں تو ذرا سوچئے کہ پیر فقیر، درویش وغیرہ پیغمبروں اور رسولوں سے بڑھ کر تو نہیں ہوتے؟ معلوم ہوا کہ تکالیف و مصائب میں مدد کرنا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ انبیاء و صالحین کا بھی وہی مددگار رہا ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو بخار، درد و شقیقہ اور بہت سے امراض وغیرہ لاحق ہوئے اور اس سے آپ کی ذات بابرکات پر کوئی طعن و عیب نہیں آ سکتا۔ کیا مختار کل کی یہی شان ہوتی ہے کہ اپنے نفس پر سے بیماری بھی دور نہ کر سکے؟ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے عزیز صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

”يَا هَؤُلَاءِ لَا تَمْلِكُ لَكُمْ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا“ ”بیشک میں تمہارے لئے اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔“

گویا اللہ اور اس کا رسول ﷺ، قرآن مجید اور صحیح احادیث دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ مختار کل اور مالک دو جہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جبکہ انبیاء کرام علیہم

1۔ سورہ اعراف آیت 188

2۔ بخاری شریف جلد 2 صفحہ 702، مسلم صفحہ 114، سند احمد جلد 6 صفحہ 18



السلام کی دیگر صفات کی طرح صفت قدرت بھی محدود ہوا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی ہماری فریاد رسی کرنے والا، ہماری تمنا نہیں، آرزوئیں اور دعائیں پوری کرنے والا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَقْنِ يُجِيبُ الْبُظْرَ اِذَا... اَلَا تَرْضٰۤی اَنَّ اللّٰہَ مَعَ اللّٰہِ﴾

”بھلا وہ کون ہے جو بے کس و بے بس کی پکار کو سنتا ہے اور اس سے تکلیف کو دور کرتا ہے۔ اور تمہیں زمین میں اپنا نائب بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟“

معلوم ہوا کہ بے بس انسان کی فریاد رسی اور پریشان حال کی مشکل کو حل کرنے والا ”الہ“ یعنی معبود کہلاتا ہے اگر کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور کو فریاد پیش کرتا ہے یا کسی اور سے مشکل کشائی کا گمان رکھتا ہے تو گویا اس نے کوئی اور الہ تلاش کر لیا ہے حالانکہ اسلام کی قبولیت کے لئے جو الفاظ ترتیب دیے گئے ہیں اس میں پہلے غیر اللہ کے وجود کا انکار کرایا پھر اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا اقرار، چنانچہ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں عہد لیا جاتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو الہ نہیں بنائے گا اور نماز کی ہر ہر رکعت میں بھی اسی کی یاد دہانی کروائی جاتی ہے:

﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾

”اے اللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں“

یعنی پکارنے کے لائق صرف اور صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرنے کے بعد کسی اور کو بھی الہ سمجھنا، اسے کسی بھی شکل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شامل کرنا خواہ اس سے مدد مانگی جائے یا مشکل کشا سمجھا جائے گناہ کبیرہ ہے جو

اللہ تعالیٰ کو قطعاً قبول نہیں اور نہ ہی اس کی بخشش ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا نیچر بھی یہی ہے کہ جس طرح عبادت اللہ کے لئے خاص ہے اسی طرح مدد و اعانت بھی اسی سے طلب کی جائے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ مخلوق کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ جو کوئی روحانی و جسمانی، ظاہری و باطنی تکلیف یا مصیبت انسان پر وارد ہوتی ہے اسے اللہ کے بغیر کوئی نہیں بٹا سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی نعمت یا فراخی اللہ کی طرف سے مقدر ہو تو اللہ کے بغیر اسے کوئی نہیں روک سکتا لہذا اللہ کی صفت غیر کو دینے یا اس کا حق غیر میں تسلیم کرنے والا ظالم ہی کہلائے گا:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللّٰہِ یُرِیْذُكَ بِخَیْرِ فَلَا رَآدَ لِفَضْلِہِ﴾

”اور اللہ کے سوا ایسے کون پکار جو تیرا بھلا کر سکے نہ برا۔ اگر ایسا کیا تو اس وقت تو ظالموں میں سے ہو گا اور اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کے علاوہ کوئی ہٹانے والا نہیں اور اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی نہیں پھیر سکتا۔“

اپنی حاجتوں کے پیچھے پاگل ہو جانے والے ناسمجھ و کمزور ایمان کے مالک مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کلام پاک ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہے جس کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ ہی تمام مخلوقات کی ضروریات و حاجات پوری کر سکتا ہے۔

جب آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ بات کسی خدا ترس، سنجیدہ مزاج اور باشعور مسلمان سے مخفی نہیں رہتی کہ آنحضرت ﷺ



مختار گل ہرگز نہ تھے بلکہ آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقتاً فوقتاً نازل ہونے والے احکامات کے پابند تھے۔ اس کی وضاحت کے لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں چند واقعات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔

**غزوہ تبوک کا واقعہ:**

غزوہ تبوک میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ سفر بہت دور کا اور سواری میسر نہیں تھی، بیٹا رسحابہ رضی اللہ عنہم شرکت جہاد کے لئے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سواری کا سوال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ انہیں جو جواب دیتے ہیں وہ کلام پاک میں نفل کیا گیا ہے:

﴿لَا أَحَدٌ مَّا أَحْبَبْتُكُمْ عَلَيْهِ﴾

”میں کوئی سواری نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں۔“

اگر بالفرض اللہ نے آپ ﷺ کو تمام چیزوں کے خزانے دیکر مالک ومختار بنادیا تھا تو کیا قبضہ قدرت کے باوجود آپ ﷺ نے خفاف واقع بات فرمائی؟ کیا مختار گل بھی یوں کہتا ہے کہ میں کوئی سواری نہیں پاتا؟ ذرا غور فرمائیے کہ حضرت محمد ﷺ اپنے محبوب صحابہ رضی اللہ عنہم کو تو جواب دیں کہ میرے پاس کچھ نہیں جو تمہیں دوں اور چودھویں صدی کے قوالچوں کی جھولیاں بھریں کیا یہ سمجھ میں آئیوالی بات ہے؟

**رئیس المنافقین کا جنازہ پڑھنا:**

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا

انقال ہوا تو آپ ﷺ اسکے مسلمان بیٹے کی فرمائش پر رواداری کے تحت اس کا جنازہ پڑھانے تشریف لے گئے۔ مگر اللہ کو یہ ادا پسند نہ آئی اور حکم دیا:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَ أَوْ لَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾

”ان مشرکین میں سے کوئی مر جائے تو آپ ﷺ (اس پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔“

اس سے یہ امر واضح ہوا کہ آپ ﷺ مختار گل نہیں بلکہ ہر معاملے میں ارشاد خداوندی کے پابند تھے۔ اس منافق کو جنت دینا تو درکنار اس کی مغفرت کی دعا ہی سے آپ ﷺ کو روک دیا گیا۔ جب پیغمبر خدا ﷺ اپنی مرضی سے گنہگار کی بخشش کا اختیار نہیں رکھتے تو اور کون بزرگ، پیر سائیں اور درویش ایسا ہوگا جو اللہ سے گناہ بخشوا دے یا روز قیامت اس کا دامن تھامنا کافی ہو جائے؟

**انشاء اللہ کہنے کی تاکید:**

آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کچھ لوگوں نے چند مسائل پوچھے آپ ﷺ نے وحی کے بھروسے پر زبان مبارک سے انشاء اللہ کہے بغیر کل بتلانے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن پندرہ روز تک وحی نہ آئی جس کے نتیجے میں آپ ﷺ کافی متفکر اور غمگین ہوئے تو اللہ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ ۖ إِنَّا إِن شَاءَ اللّٰهُ﴾

”آپ ﷺ کسی کام کی نہت یوں نہ کہنا کہیں کہ میں اس کو دل کروں گا مگر اللہ کے چاہنے کو ساتھ ملائیے۔“



بتلائے کہ کیا مختار کل بھی کسی کی مشیت و ارادے کا پابند ہوا کرتا ہے.....؟  
سردارانِ قریش کیلئے بددعا کرنا:

آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کی طرف سے مسلسل ایذا رسانی کے سبب صفوان بن امیہ، سہل بن ہشام اور حارث بن ہشام کے لئے بددعا فرمائی۔ 1 چونکہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں لیکن اللہ کے علم میں تھا کہ عنقریب یہ جان کے دشمن مسلمان ہو کر جان نچھاور کرنے والے بن جائیں گے لہذا اللہ تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہوئے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ ان کے معاملے میں آپ کو نہ کوئی دخل ہے اور نہ آپ پر کوئی ذمہ داری۔ آپ ﷺ نے تو اپنا فرض بخوبی ادا کر دیا ہے البتہ کسی کو سزا دینے یا معاف کرنے کا اختیار صرف ہمارے ہاتھ میں ہے:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ﴾ 2

”آپ (ﷺ) کے اختیار میں کچھ نہیں یہاں تک کہ اللہ یا تو ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے۔“

اگر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مختار کل بنایا ہوتا تو بددعا سے کبھی نہ روکا جاتا۔

آپ ﷺ کے چچا کا ایمان نہ لانا:

پیغمبر اعظم ﷺ کو افراطِ شفقت کی بنا پر دل سے یہ تمنا اور آرزو بلکہ کڑھن تھی کہ کوئی ایک شخص بھی نعمتِ ایمان سے محروم نہ رہے۔ جب آپ کی مسلسل کوشش کے باوجود آپ کے چچا ابوطالب ایمان نہ لائے تو آپ کو شدید رنج پہنچا۔ اللہ نے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی کہ اس سلسلے میں نہ آپ کو قدرت حاصل ہے اور نہ ہی آپ کی خواہش کا اس میں کوئی عمل دخل ہے۔ دعوتِ ایمان کا قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ نے تمام

تراپنی مرضی کے تحت رکھا ہے:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ 1

”بیشک آپ (ﷺ) جسے چاہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے مگر اللہ جسے چاہے ہدایت پر لے آئے۔“  
یعنی آپ ﷺ مختار کل نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو اپنی مرضی سے ہدایت پر نہیں لا سکتے بلکہ یہ حکیم مطلق ذات کی مشیت پر موقوف ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے کئی ایک مطالبات اللہ تعالیٰ نے پورے کر دیے مگر اس کے باوجود بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہ ہوئے اور بہت سی مسرتیں و تلیفیں ایسی ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے بچنے کا ارادہ کیا لیکن وہ آپ کو پہنچ کر رہیں۔ ایسا نہیں کہ آپ ﷺ جو چاہتے سو کرتے۔ مثلاً مشرکین مکہ کے فرمانہاں معجزات کو کسی مصلحت کی وجہ سے پورا نہ کرنا، آپ ﷺ نے دعا کی کہ میری امت آپس میں جھگڑا و فساد نہ کرے لیکن بارگاہِ ایزدی میں اس کا منظور نہ ہونا نیز آنحضرت ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ ہمارا قبلہ پھر سے بیت اللہ بن جائے مگر اس کے لیے بھی وحی الہی کا منتظر ہونا وغیرہ لہذا یہ فلسفہ قرآنی تعلیمات کے یکسر خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا نظام اپنے برگزیدہ بندوں کے حوالے کر کے خود معطل و معزول ہو گیا ہے بلکہ اس عالم میں جو کچھ ہو رہا محض اللہ ہی کی قدرت اور ارادے سے ہو رہا ہے:

﴿لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ﴾ 2

”تمام کام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں پہلے بھی اور بعد میں بھی“



یعنی تمام کاموں پر اللہ ہی کا اختیار ہے جس کی شان یہ ہے "فَعَالٌ لَّمَّائُونَ" 1  
 "وہ جو چاہے کر گزرتا ہے" اسے کسی کی اجازت و رہنمائی کی قطعاً ضرورت نہیں جبکہ اللہ  
 کے حکم، اجازت اور رہنمائی کے بغیر رسول بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ بات بھی طوطا خاطر رہے  
 کہ اگر اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کو تمام کام تفویض ہو چکے ہوتے تو آپ بیشمار مسائل  
 میں وحی کے منتظر نہ رہتے۔ اسی طرح ہر قسم کے خزانے بھی اللہ ہی کے دست قدرت میں  
 ہیں۔ اس حقیقت کو آنحضرت ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے یوں کہلایا گیا ہے:

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ﴾ 2

"آپ ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔"  
 گویا آیت بالا میں نبوت و رسالت کے مقام و منصب پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اللہ کا  
 نبی خزانوں کا مالک، مختار کل، متصرف فی الامور اور لوازم بشریہ سے منزہ نہیں ہوا کرتا  
 بلکہ یہ صفات تو باری تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہیں:

﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ﴾ 3

"آسمان و زمین کے خزانوں کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں۔"  
 اللہ تعالیٰ کسی کے ماتحت نہیں اور نہ ہی کوئی اسے حکم دے سکتا ہے اس کے سوا ہر چیز اس  
 کی محتاج اور اسی کے تابع فرمان ہے:

﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ﴾ 4

"وہ اپنے کاموں کے لئے کسی کے آگے جواب دہ نہیں  
 اور سب اس کے آگے جواب دہ ہیں۔"

- |                     |                       |
|---------------------|-----------------------|
| 1۔ سورہ بروج آیت 16 | 2۔ سورہ انعام آیت 50  |
| 3۔ سورہ زمر آیت 63  | 4۔ سورہ انبیاء آیت 23 |

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ حدیث قدسی میں وارد ہے:  
 "اے میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو مگر جسے میں نے سیر کر دیا پس  
 مجھ سے رزق طلب کرو میں تمہیں کھاناؤں گا، اے میرے بندو! تم سب کے سب  
 برہنہ ہو مگر جسے میں نے پہنا دیا پس مجھ سے پکڑے مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔" 1  
 یعنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوق اللہ کے در کی گدا ہے اور وہ سب کی دستگیری  
 فرمانے والا ہے:

﴿يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ﴾ 2

"اللہ ہی سے آسمان و زمین کی تمام مخلوق اپنی حاجتیں طلب کرتی ہے۔"  
 جب اللہ ہی تمام خزانوں کا تنہا مالک ہے تو لازمی سی بات ہے کہ کسی کو یہ خزانے  
 بخشا اور عطا کرنا بھی اللہ ہی کا کام ہے:

﴿وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ﴾ 3

"آسمان و زمین کے خزانے اللہ ہی کے لئے ہیں لیکن منافق لوگ نہیں سمجھتے۔"  
 آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کسی اور مخلوق کو "کنج بخش" یعنی  
 خزانے بخشنے والا کہنا منافقین کا عمل ہے۔ جب مخلوق کے پاس خود کچھ نہیں تو کسی اور کو  
 کیا دے گی! چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ﴾ 4

"اے لوگو! تم سارے کے سارے اللہ ہی کی طرف سوالی ہو۔"  
 ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی اور سے اپنی بگڑی بنوانے کی امید

- |                          |                     |
|--------------------------|---------------------|
| 1۔ ریاض الصالحین صفحہ 66 | 2۔ سورہ رحمن آیت 29 |
| 3۔ سورہ منافقون آیت 7    | 4۔ سورہ فاطر آیت 15 |



رکھنا بیکار ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ نِدْعَتَكُمْ وَلَا أَنْفُسُهُمْ يَنْصُرُونَ﴾<sup>1</sup>

”اللہ کے علاوہ جنہیں تم پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہی خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔“  
ساری کائنات کا نظام اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس کے نظام میں نہ کوئی شریک تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا۔ وہ اپنا نظام چلانے میں کسی وزیر یا نائب کا محتاج نہیں۔ اس نے کائنات میں تصرف کے کلی یا جزوی اختیارات نہ کسی کو عطا کیے ہیں اور نہ ہی خدائی اختیارات کسی کو عطا کیے جاسکتے ہیں۔ اس تک پہنچنے کے لئے کوئی بیڑی یا واسطہ درکار نہیں۔ کارخانہ خداوندی میں کوئی پتہ اور ذرہ اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ تمام خیر و شر کی بازگشت اسی کی طرف ہے نہ اس کے علاوہ کوئی پنا گاہ ہے اور نہ کوئی آڑے وقت کا ساجھی ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾<sup>2</sup>

”اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار اور کام بنانے والا نہیں ہے۔“

اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی سے اپنی ضروریات پوری ہونے کا گمان رکھنا جو قیامت تک جواب دینے سے قاصر ہی نہیں بلکہ بے خبر بھی ہو، مگر اسی کے سوا کچھ نہیں:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا... وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ﴾<sup>3</sup>

”اس شخص سے زیادہ گمراہ اور گنہگار ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک اس کا جواب نہ دے سکے اور انہیں تو ان کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ مصائب کے وقت اپنی حاجت روائی کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو اس کے در کے علاوہ کسی اور در کو دیکھنا نری گمراہی اور بے وقوفی ہے کہ

کوئی بھی کسی کو رتی برابر فائدہ پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا:

﴿ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ... وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ﴾<sup>4</sup>

”یہ اللہ ہی تمہارا رب ہے اسی کے لئے بادشاہی ہے اور اسے چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو وہ مجھوڑی شخص کے باریک چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ سن نہ سکیں اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہا پورا نہ کر سکیں۔“

اللہ کا مختار کل ہونا عقل کی میزان میں:

اب ذرا عقل سے سوچا جائے کہ ایک ایسا دربار جس میں ہر شخص ہر آن اور ہر لمحے اپنی درخواست پیش کر سکے، جہاں ہر درخواست پر فوری کارروائی ہو، جو ہر ضرورت کو پورا کرنے اور ہر شخص کی تمام مرادیں بر لانے کی پوری پوری قدرت رکھتا ہو۔ پھر رحیم و شفیق ایسا ہو کہ خود مانگنے والوں کا منتظر اور نہ مانگنے والوں سے ناراض ہو جائے ایسے دربار کو چھوڑ کر در بدر کی ٹھوکریں کھانا فہم و فراست کی نہیں بلکہ حماقت و جہالت کی بات ہے:

﴿قُلْ اَدْعُوا الَّذِينَ عَنِكَمْ وَلَا تَجُونِلَا﴾<sup>5</sup>

”آپ (ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ جن معبودوں کو تم اللہ کے سوا اپنا مددگار رکھتے ہو ان کو پکار کر دیکھ لو وہ کسی تکلیف کو نہ تم سے دور رکھتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔“

یعنی اللہ کے علاوہ جو سہارے ڈھونڈے جاتے ہیں ان کی اتنی بھی حیثیت نہیں کہ کسی کی تکلیف کو ختم یا کم کر دیں۔

نزولِ قرآن اور بعثتِ انبیاء علیہم السلام کا مقصد:

قرآن کریم کی دعوت کا سب سے اہم ترین موضوع اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کی توحید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام پاک میں حق تعالیٰ کی الوہیت کے جو دلائل بار بار مختلف پیرایوں میں بیان



کیے گئے ہیں ان میں سب سے واضح دلیل یہی ہے کہ بتلاؤ کائنات میں متصرف اور قدرت کامل کا مالک کون ہے.....؟ رزق کے خزانے کس کے قبضے میں ہیں.....؟ دن و رات کا نظام کس کے ہاتھ میں ہے.....؟ نفع و نقصان کا مالک کون ہے.....؟ ظاہر ہے اگر ان چیزوں کو دوسروں کے لئے ثابت کیا جائے تو کلام پاک کا تقریباً ایک تہائی (1/3) حصہ باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ جبکہ یہ امر اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ انبیاء اولیا اور بزرگان دین اپنی جگہ خود مختار نہیں کہ یہ امور سرانجام دے سکیں وہ تو یہ سبق سکھلا کر گئے ہیں کہ قدرت مطلق اور اختیار کامل صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

﴿قُلْ إِنْ الْأَمْرُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾

”آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ سب کے سب کام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں“

یعنی تمام معاملات کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

مکہ کے مشرکین کیسے تھے؟

مشرکین مکہ نے بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ (360) بت رکھ کر ہر ایک کی مختلف ڈیوٹی طے کی ہوئی تھی۔ مثلاً فلاں بت بارش کے لئے ہے اور فلاں روزی کے لئے، فلاں بت شفا دے گا اور فلاں اولاد دے گا۔ جس کو جو ضرورت پیش آتی وہ اسی کا چڑھاوا کرتے ہوئے منت و عاجزی سے درخواست پیش کرتا تھا۔ وہ فخریہ طور پر کہتے تھے کہ اجی بڑا خدا تو موجود ہے ہی مگر اس کی سرکار میں ہمارے یہ معبود بھی کسی نہ کسی درجے میں مختار ہیں اگرچہ عطا کی طور پر ہوں۔ چونکہ بڑی سرکار تک براہ راست رسائی نہیں ہو سکتی اس لیے ہم انہی سے بگڑے ہوئے کام بنواتے ہیں۔ یعنی وہ بجز اللہ رب العزت کے کسی کو بھی ”اللہ“ سمجھ کر اس کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ان کے احوال یوں بیان فرما رہے ہیں:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ... هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾

”یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کی پرستش کرتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچانے کے نفع اور کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے نزدیک ہمارے سفارش ہیں“

ایک اور مقام پر مشرکین مکہ کے اس غلط گمان کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾

”وہ لوگ جو اللہ کے سوا کوئی اور حاضری بنائے بیٹھے ہیں کہتے ہیں کہ ہم تو انہیں صرف اس واسطے پوجتے ہیں کہ یہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں گے“

حاصل یہ ہیکہ مشرکین مکہ کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو اس جہان کے مخصوص خطوں میں تصرف کرنے کا اختیار دیدیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زبانی انکا تبلیغ حج سنئے:

﴿لَيْسَ لَشَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكُكَ هَؤُلَاءِ تَمْلِكُهُ﴾

”ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ شریک کہ جسکو تو نے اختیارات دے رکھے ہیں“ وہ کفار بتوں سے اپنے کام بنوانے کی امید رکھتے تھے تو بھولے بھالے مسلمانوں کو مزماروں اور خانقاہوں پر لگا دیا گیا ہے کہ وہاں جا کر اپنی حاجتیں پوری کرواؤ۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات کسی طور پر گوارا نہیں کہ بندے اسے ایک تسلیم کر کے اس کے احکامات کی براہ راست تعمیل کرنے کی بجائے کسی اور کو تقرب کا ذریعہ بنائیں:

﴿أُحِبُّ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا﴾

”میں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں۔“



ایک تو گناہناحق کہ اپنی طرف سے اللہ کا سفارشی بنایا پھر اس پر مستزاد یہ کہ ”ہماری سنتا نہیں ان کی مالتا نہیں۔“ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ وہ جب چاہے مجھے پکار سکتا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾

”اور اللہ ایمان والوں کی دعا کو خوب سنتا ہے“

مطالعہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ایمان والوں کی پکار کو ضرور سنتا ہے اور یہ کہیں کہ ہماری سنتا نہیں۔ اس طرح تو لامحالہ یہ لوگ خود کو اہل ایمان کی فہرست سے باہر نکال رہے ہیں۔ تصویر کا دوسرا رخ:

دور جاہلیت کے مشرکین تو اپنے معبودان باطلہ کو اللہ کے دربار عالی میں فقط سفارشی سمجھتے تھے مگر آجکل تو ترقی کی دوڑ میں لوگ تمام تر خدائی اختیارات براہ راست انبیاء کرام، اولیاء عظام اور دیگر بزرگوں کو سونپے ہوئے ہیں۔ پھر وہاں سے بھی یہ اختیارات الٹ و رالٹ منتقل ہو کر ارد گرد پھرتے تنگ دھڑنگ قسم کے ملنگوں اور فقیروں تک جا پہنچے ہیں جنہیں نہ کھانے کا ہوش ہے نہ لباس کا خیال۔ نماز اور روزہ تو دور کی بات ہے حلال و حرام، پاکی و ناپاکی کی تمیز تک سے عاری ہیں۔ مگر ہماری اعلیٰ معیار کی بلند نظری و یکھیے کہ انہیں ”عارف باللہ“ کا لقب دیا جاتا ہے اور یہ کہہ کر خود فریبی میں مبتلا ہیں کہ ولایت عبادت پر موقوف نہیں، تو کیا پھر خرافات پر موقوف ہے؟ کچھ ایسے افراد جو فقط زبانی جمع خرچ پر اکتفا کیے بیٹھے ہیں اور اعمال صالحہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے انہوں نے اپنی ست طبیعت کے پیش نظر ایسی ”ہندوستانی اسرائیلیات“ ایجاد کر لی ہیں کہ لوگوں کے لئے بے مشقت ملنگی دین میسر آ جائے

جسمیں دیرو حرم، کعب و کلیسا کی کوئی تمیز باقی نہ رہے ان کے خیالات ملاحظہ فرمائیے:

- ① کوئی پیر صاحب ایسے با اختیار ہیں کہ مرید جی کی پکار پر قبر میں جا پہنچے اور فرشتوں کو سوالات کرنے کے جرم کی پاداش میں ایسا تھپڑ رسید کیا کہ وہ دور جا پڑے۔
- ② کچھ تو بروز قیامت چل چل کر اللہ سے مجرمین کو چھڑاتے نظر آتے ہیں۔
- ③ کچھ اور آگے بڑھ کر اک آہ سرد سے جہنم کو ٹھنڈا کر رہے ہیں۔
- ④ کچھ بزرگ اپنی بزرگی کا فائدہ اٹھا کر اپنے مریدین کو بلا حساب کتاب جنت میں گھسیٹ لے جا رہے ہیں۔
- ⑤ کسی بابا جی کی پرواز اتنی بلند ہے کہ ملک الموت سے روحوں کا ”تھپلا اور زنبیل“ چھین کر اس روز کی قبض شدہ تمام روہیں آزاد کر دیتے ہیں۔ استغفر اللہ من ذالک۔ یہ وہ فرسودہ خیالات ہیں جن پر عقائد کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہمارا دین آفاقی و کتابی ہے روایتی یا زبانی نہیں کہ جو جس کے جی میں آئے کہتا پھرے۔

بزرگان دین اور ہم:

یہ غور کرنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانی مخلوقات میں سب سے افضل مخلوق فرشتوں اور زمینی مخلوقات میں سب سے افضل مخلوق انبیاء کرام علیہم السلام کی خدائی کمالات و اختیارات میں شریک ہونے کی تردید فرمادی تو اور کون ہوگا جو اس میں شریک ہو؟ جہاں تک اولیاء کرام اور بزرگان دین کا معاملہ ہے ان کی تمام زندگی عقیدہ توحید پر کار بند رہتے ہوئے اور اسی کا پرچار کرتے ہوئے گزری ہے۔ انکے دنیا سے جانے کے بعد انہیں خدائی صفات میں شامل کر کے اپنا ”قبلہ“ بنالینا ”یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا“ کے مصداق ہے۔ ان نیکو کار بزرگان دین نے کب کہا تھا کہ تم ہماری ہی قبروں کی پوجا پاٹ شروع کر دینا؟ یہ بزرگان دین



کی تعلیمات سے انحراف اور ان معزز ہستیوں کی گستاخی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے شرک بزرگ ہی کی ذات سے شروع ہوا ہے، افسوس کا مقام ہے کہ آج کا پڑھا لکھا انسان اللہ کا نازل کردہ قانون چھوڑ کر، قرآن وحدیث سے رشتہ توڑ کر، من گھڑت آبائی رسوم، توہم پرستی، خیالی و تصوراتی قصے کہانیوں، بیرو مریدنی کی حکایتوں سے تیار کردہ خواہشات نفسانیہ کے مغلوبے کو دین کا نام دے کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ حق اور باطل، کھرے اور کھوئے کو پرچنے کی صلاحیت ماند پڑ گئی ہے اور اندھی تقلید میں بھیڑ چال چلی جا رہی ہے عقل حیران بیکہ جس قوم نے دنیا کو سیراب کیا وہ آج کیوں تشنہ ہے؟ جس قوم نے دنیا کو تہذیب و تمدن کا سبق پڑھایا وہ آج کیوں غیر مہذب و غیر متمدن ہو گئی ہے؟ یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا پاک و بند کے مسلمان برس بابر س بندہ معاشرے سے میل جول کی بنا پر غیر محسوس طریقے سے ان کی ذہنی فلاحی پر آمادہ ہو چکے ہیں اور انہی کے رسوم و رواج کے جراثیم ہمارے معاشرے میں سرایت کر گئے ہیں بلکہ فرائض مذہب کی مانند شامل ہو گئے ہیں اور غلبہ رسوم نے ان کی برائی اور مفاسد کو بھی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔ کلام پاک میں تمام تراختیارات کا مرکز خدائے وحدہ لا شریک کی ذات کو قرار دیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الْدِّينَ كَانَ خُلُوفًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمَّا لَكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيُحْجِبُوا أَلْوَاعَهُمْ﴾

”بیٹک جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تم جیسے ہی بندے ہیں

انہیں کیا قدرت کہ کسی کی حاجت و مراد پوری کر سکیں“

معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ اللہ کی مخلوق ہونے میں بے بس و بے اختیار ہے۔ مخلوق میں کیا جرأت کہ خالق کی برابری کر سکے؟

وہ اللہ معبود ہے ہم سب اس کے بندے ہیں۔ وہ مالک ہے، باقی سب اس کے مملوک ہیں اور مملوک کبھی شریک مالک نہیں ہو سکتے بلکہ تمام تراختیارات اللہ نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھے ہیں:

﴿قُلْ مَنْ يَمْلِكُ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾

”آپ (ﷺ) یہ بھی کہے وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے۔“

اللہ کے عالی دربار تک رسائی:

یہ تصور سرے سے غلط ہے کہ مخلوق اپنے خالق حقیقی کے سامنے عرضیاں پیش کرنے کی بجائے اس کے کسی نائب یا وزیر کے آگے پیش کرے جو اسے لے جا کر اللہ کے آگے پیش کرے اور نہ ہی ایسا معاملہ ہے کہ سفارش و شفاعت کے بغیر اس کے دربار تک رسائی ناممکن ہو۔ وہ تو ہر پل و ہر آن ہمارے ساتھ ہے پھر درمیان میں واسطے کا کیا کام.....؟ لہذا یہ تاثر قطعاً غلط اور قابل ترک ہے۔ اگر کسی نے ایسا نظریہ قائم کر لیا ہے تو وہ اس کا خود ساختہ نظریہ ہے۔ اسلام اور اسلاف اس سے بری ہیں۔

اللہ پاک اپنے بندوں کی رگ جان بلکہ انکے تخیل سے بھی زیادہ قریب ہے:

﴿يَخْنُقُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾

”ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں“

اللہ کی بارگاہ دنیاوی درباروں کی طرح نہیں:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی کو دنیاوی شاہی درباروں پر ہرگز قیاس نہ کیا جائے۔ کیوں کہ دنیا میں بادشاہ و رعایا کے درمیان واسطوں کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ وہ تمام رعایا کی فریاد خود نہیں سن سکتے اور نہ ہی ہر شخص براہ راست اپنی آواز ان تک پہنچا



سکتا ہے یہ ایک وقت میں ایک یا دو افراد کی بات سن سکتے ہیں دنیا کی ہر زبان سے واقف نہیں انہیں ایک محدود مدت تک کام کے بعد آرام کی ضرورت پیش آتی ہے اگر ایک کی جگہ دوسرا حاکم آجائے تو تمام اصول و ضوابط بھی بدل جاتے ہیں۔ اس کے برعکس حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ دنیا کے سارے انسانوں، فرشتوں، جنات اور حیوانات میں سے ہر ایک کی آواز گویا اس طرح سنتا ہے کہ ساری کائنات خاموش ہے اور صرف وہی ایک گفتگو کر رہا ہے۔ ہر شخص ہر زبان میں ہر وقت اس کے سامنے فریاد پیش کر سکتا ہے۔ اسے نہ آرام کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے نظام میں تغیر و تبدل کی کوئی گنجائش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تصرف کے کچھ اختیارات فیوں، ولیوں اور اماموں کو عطا کر کے خود مختار نہیں بنایا کہ جو چاہیں کریں، جس کو چاہیں عطا کریں یا جس سے چاہیں روک لیں چونکہ دنیا کے سربراہان مملکت کا اپنے ماتحتوں کو اختیارات دینا ان کا بجز و قصور ہے اس کے بغیر نظام حکومت نہیں چل سکتا۔ یہ ہر چھوٹے بڑے کام کو بذات خود کرنے سے قاصر ہیں لہذا قدم قدم پر معاونوں و مشیروں کے محتاج رہتے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ بجز و احتیاج سے بالکل پاک ہے۔ اسے کائنات کے ایک ایک ذرے کا علم بھی ہے اور اس پر قدرت بھی۔ کائنات کی کوئی چھوٹی بڑی چیز نہ اسکی قضا و قدر سے باہر ہے نہ اس کے حکم سے آزاد۔ حق تعالیٰ کا علم، ارادہ، مشیت، قدرت و تکوین، زمین و آسمان کی ایک ایک چیز پر حاوی اور ہر ذرے پر محیط ہے اور پھر اللہ کو افسران بالا پر قیاس کرنے سے خالق کی مخلوق سے، جابر کی مجبور سے الغرض معبود برحق

کی عبد محض سے تشبیہ لازم آئے گی جو گناہ عظیم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اتَّعَبُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

”آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے ہو جو تمہارے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نفع کا حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین نام:

حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان وارد ہے:

ان احب اسمائکم الی اللہ عبد اللہ ”بیشک اللہ کے نزدیک تمہارے ناموں میں پسندیدہ ترین دو نام ہیں عبد اللہ اور عبد الرحمن۔“

وجہ یہ ہے کہ ان میں عبدیت کا اظہار ہے کیونکہ عبد کے معنی ہیں ”بندگی کرنے والا“ اور بندگی اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ ایک صاحب کی نظم کا مصرعہ سنئے اور سر دھنیے:

”ہم ہیں عبد المصطفیٰ تو تجھ کو کیا“

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”تجھ کو کیا“ سے کسے خطاب کیا جا رہا ہے؟ اوپر جو حدیث بیان کی گئی ہے وہ کسی کی من چاہی بات تو نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور مخلوق کی سرکشی دیکھیے کہ بے انگ دمل چیلنج کر رہی ہے کہ اگرچہ اللہ ہمیں اپنا بندہ بنانا چاہتا ہے مگر ہم اس کے ”بندے“ کے بندے نہیں گے حالانکہ مسلمان ہوتے وقت انسان اللہ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے بندہ اور رسول ہونے کی بھی گواہی دیتا ہے لیکن جو شخص خود کو اللہ کے بندوں کا بندہ کہے گویا وہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا۔



ہر تعلیم یافتہ شخص جانتا ہے کہ ریاست میں نجی ریاست بنانا قانوناً بغاوت کہلاتا ہے۔  
اللہ سے یہ ضد کیسی کہ کھائیں کسی کا اور گائیں کسی کا.....؟

اولاد کس سے مانگی جائے؟

اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جسے بندوں کو عطا کرنا یا محروم رکھنا اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا کوئی دوسرا اسکی مشیت و تدبیر میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔ کلام پاک کی رہنمائی سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے حالات میں جب بظاہر اولاد ہونا ناممکن ہو، اللہ سے عاجزانہ درخواست کرتے ہیں اور اللہ انہیں اولاد عطا کرتا ہے جیسے کبرسنی میں حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر بیچی علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر اسمعیل و اسحق علیہما السلام پیدا ہوئے جبکہ ہمارے معاشرے میں مزاروں پر ایک شوریدہ سرائیٹھ کر نعرہ کستا ہے ”لے لے لے لے لے لے لے“ اور اس پر ایسا پختہ یقین ہے کہ بعضے لوگ اپنا بچہ بھی لا کر دکھاتے ہیں کہ اجی فلاں بابا کی دین ہے۔ نہ معلوم مزار والے بابا کی کرامت ہے یا باہر بیٹھے مجاور کی ”برکت“.....؟ ان موٹی عقل والوں سے کوئی پوچھے کہ جس سے بیٹا مانگ رہے ہو خود اس کو کس نے پیدا کیا تھا.....؟ اور پھر بابا جی کی سخاوت پر تو حاتم طائی بھی شرمایا گیا ہوگا کہ صرف ایک مرغالیکر بیٹا دے رہے ہیں۔

اسکا جواب کلام پاک میں ہے:

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يُفَصِّلُ لِمَنْ يَشَاءُ..... وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا﴾

”اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے جسے چاہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے بیٹے عطا کرتا ہے۔  
یا بیٹے اور بیٹیوں کے جوڑے عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے بانجھ کر دیتا ہے“

کشتی کون پار لگاتا ہے؟

مبالغہ آرائی کے وقت عموماً عقل کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرک اور بدعت کی ایسی ایسی اقسام رائج ہو چکی ہیں جن سے زمانہ جاہلیت والے بھی نا آشنا تھے۔ مشرکین جب مصیبت میں گھرتے تو اپنے تمام خود ساختہ معبودوں سے ناطہ توڑ کر صرف اللہ کی ذات برحق کو پکاراٹھتے تھے اور ان کی اصل فطرت لوٹ آتی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی بھی صاحب تصرف و مالک اور صاحب اختیار نہیں، ملاحظہ فرمائیے:

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ..... الْكِبَرِ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾

”پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو خالص اسی پر اعتقاد رکھ کر پکارتے ہیں۔  
جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچالایا تو اس کا شریک بنانے لگے۔“

معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر کی اصل آواز یہی ہے۔ باقی سب بناوٹ اور دھکوسلے ہیں۔ یہاں ایک مستانے کی زبان پر ورد جاری ہے ”معین الدین چشتی لگا دو پار کشتی“ تو دوسرا کہہ رہا ہے ”دم بہاء الحق بیڑا دھک“ یعنی ان کے خیال فاسد میں خوجہ معین الدین اور بہاء الحق رحمہما اللہ تعالیٰ قبروں میں بیٹھ کر کشتیاں چلا رہے ہیں، کیا یہ بخولیہ پن نہیں کہ استقدر عظیم المرتبت بزرگان دین کو اپنی کشتی کے ملارج و ناخدا کا درجہ دیا جائے؟ اگر بالفرض محال اس صریح مغالطے کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بتلائیے کہ سب سے پہلی کشتی بنانے والے نبی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کس نے پار لگائی تھی.....؟ پھر اس وقت سے لیکر ان بزرگان دین کے پیدا ہونے تک کے درمیانی عرصہ میں کشتیاں کون پار لگاتا رہا ہے.....؟ جو لوگ بحری راستے سے سفر حج وغیرہ پر جاتے ہو غرق آب ہو جاتے ہیں اس کا الزام کس کے سر ہوگا؟



کلام پاک اس کا جواب اس طرح دیتا ہے:

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْزِيَ الْفُلُكَ فِيهِ بِأَمْرِهِ

”اللہ وہ ذات ہے جس نے سمندروں کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ اس میں اللہ کے حکم سے کشتیاں چلا کریں“

مزارات پر حاضری کے آداب:

آنحضرت ﷺ نے جب قبروں پر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو اس وقت یہ بھی بتا دیا کہ قبروں پر کچھ لینے کی غرض سے نہ جاؤ بلکہ کچھ دینے کے لئے جاؤ یعنی قبر والوں کے حق میں دعائے خیر کیا کرو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسکی توضیح میں فرماتے ہیں زیارت قبور سے مقصود یہ ہے کہ زائر کو عبرت حاصل ہو اور صاحب قبر کو خیر و برکت ملے۔ زیارت قبور میں مستحب یہ ہے کہ میت کو سلام کرے، نہ قبر کے اوپر ہاتھ پھیرے، نہ اسے چھوئے اور نہ ہی بوسہ دے اس لئے کہ یہ تمام باتیں نصاریٰ کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس کام کے لئے بھیجا تھا کہ جو قبور اپنی نظر آئے اسے برابر کروں۔

فقہ حنفی کے سب سے معتبر فقہیہ علامہ شامی فرماتے ہیں ”میری نظر میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس نے قبر پر عمارت بنانے کو جائز کہا ہو۔“ نیز آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں موت کی یاد دلاتی ہیں“

1۔ سورہ جاثیہ آیت 12 2۔ احیاء العلوم جلد 4 صفحہ 722

3۔ مشکوٰۃ صفحہ 148 4۔ فتاویٰ شامی جلد 1

5۔ مسلم شریف جلد 1 صفحہ 314، سنن نسائی جلد 2 صفحہ 1128، ابن ماجہ صفحہ 729

ظاہر ہے عبرت کے لئے گورغریباں ہی موزوں ہو سکتی ہے نہ کہ سنگ مرمر سے تراشیدہ خوبصورت عمارتیں، رنگ و روشنی کا سیلاب اور ان پر دل بھادینے والے اشعار۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور فقہ حنفی کی تدوین کرنے والے عظیم فقہیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”احناف“ اسے صحیح نہیں سمجھتے کہ جو مٹی قبر سے نکلے اس سے زیادہ ڈالی جائے اور ہم قبریں پختہ بنانے اور ان کی لپائی کو بھی مکروہ جانتے ہیں۔

مگر شریعت کے ان اصولوں سے قطع نظر آج کل اس مرض نے فیشن کی شکل اختیار کر لی ہے کہ قبریں پختہ کر کے ان پر شاندار روضہ تعمیر کیا جائے گویا جہلا کا معیار ولایت ہی یہی ہے۔ آج بھی یہ جہالت عام ہے کہ اکثر حضرات جہاں کہیں بھی کوئی گنبد والی عمارت دیکھ لیتے ہیں تو عقیدت کے طور پر سر کے اشارے سے اس عمارت کو سلام کرتے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات رونما ہوئے کہ کسی تاجر قبر نے جھوٹے خواب کا ڈرامہ رچا کر کسی جگہ معتبر نام سے جعلی قبر بنا ڈالی اور کمزور عقائد کے حامل لوگوں نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ کھوتے شاہ، گھمن شاہ اور نجمانے کتنے شاہ بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں پھر چند بیروزگاروں کا ان قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا بھی کاروباری رنگ دھار چکا ہے۔ ساتھ ساتھ لینڈ مافیا سے لیکر ڈرگ مافیا تک سب کی چاندی شروع ہو جاتی ہے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ان جگہوں پر عورتوں کی بے پردگی، دھماچو کڑی اور مصنوعی حال ڈال کر تاج کوو نے انسانی حدود کو پامال اور عفت و حیا کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی



زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”عورتوں کو قبرستان جانے کی اجازت دینا ٹھیک نہیں کیونکہ یہ وہاں جا کر بہت زیادہ لغو اور بیہودہ حرکتیں کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں عورتیں بن سنور کر نکلتی ہیں اور راستے میں بے پردہ ہو جاتی ہیں“ بے ذرا غور فرمائیے یہ اس زمانے کی بات نقل کی گئی ہے جو آج کے زمانے سے بدرجہا بہتر تھا۔ آج جو حالت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اگر کوئی اپنی فیملی کے ساتھ شبِ برأت کو قبرستان نہ جائے تو گویا اس کے ایمان میں ہی شک ہو جاتا ہے۔ قبرستان یا تراکے لئے شبِ برأت سے مہینوں پہلے راستوں کی صفائی اور لائٹنگ کا انتظام کیا جاتا ہے اور پھر وہاں جس قسم کی ”مخلوط عبادات“ سرانجام دی جاتی ہیں وہ لکھنے سے صفحہ شرمسار اور قلم گنہگار ہو جانے کا اندیشہ ہے ہمیں تو ڈر ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو کچھ عرصہ بعد قبرستان پر بھی ایک بورڈ آؤیزاں ہوگا۔

”بغیر فیملی کے داخل منع ہے“

اور پھر یہ بھی سوچئے کہ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ صاحبِ قبر پر اسکے اعمال کے سبب رحمت فرمائے یا عذاب سے دوچار کرے لیکن ہم جو قبر پر اگر جتنی جلا کر کارِ ثواب کھاتے ہیں وہ خواہ اندر سلگے یا باہر سلگے دونوں صورتوں میں قبر پر آگ جلتی ہے۔ گویا ہماری طرف سے فیصلہ ہو چکا کہ قبر والا کس حال میں ہے.....؟

بیت اللہ بمقابلہ بابا کا مزار:

ہم نفسانی خواہشات پر چلتے چلتے یہاں تک آپہنچے ہیں کہ آج دین کے نام پر بے دینی عام اور ہر شعبہ میں انحطاط اور زوال ہے۔ اب تو حالت یہ ہے کہ مزارات کو اللہ

تعالیٰ کے گھر خانہ کعبہ کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو صرف بیت اللہ کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ ہر سال حج کے ایام کی طرح عرس کے ایام مقرر ہیں۔ احرام کی جگہ ننگے سر یا ننگے پیر چلنے کی قید ہے۔ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ..... ۱۱ کے مقابلے میں حق باہو، بیشک باہو کا نعرہ لگتا ہے۔ غلاف کعبہ کی طرح قبر کی چادر شریف کا انتظام ہوتا ہے۔ حجر اسود کے بوسے کی جگہ قبر کے سر ہانے اور پانکسی کو چوما جاتا ہے۔ طواف کا نعم البدل قبر کے پھیرے ہیں۔ رکوع و سجدے، دعائیں اور مناجاتیں بھی کی جاتی ہیں۔ بیت اللہ کے ملتزم کی طرح بابا کی ڈیوڑھی اور دروازے سے چمٹا جاتا ہے۔ بابا جی کی بیٹھک سے ان کی قبر تک دوڑ لگا کر صفا و مروہ کی سعی کی نقالی جاتی ہے۔ زمزم کے مقابلے میں قبر کو دھویا گیا متبرک دھوون حاضر ہے۔ حدی (حج میں قربانی کا جانور) کی بجائے بابا جی کی نذر کا بکرا ساتھ آتا ہے۔ قبر کے پاس پہنچ کر اس قدر خوفزدہ ہوئے جاتے ہیں کہ حد نہیں لو بان دانی کی خاک کبھی بدن پر ملی جاتی ہے تو کبھی بچوں کو چٹائی جاتی ہے۔ بابا جی کی ”حرمت“ کا اس قدر پاس ہے کہ واپسی میں اٹنے پاؤں چلتے ہیں کہ کہیں پیٹھ نہ ہو جائے، اگرچہ اس طرح بیت اللہ کی پیٹھ ہو رہی ہو اس کی کوئی پروا نہیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے شرک میں فرق رہ گیا ہے تو صرف ناموں اور طریقوں کا ہے۔ ہم نے ذرا اپ ٹو ڈیٹ ہو کر اپنی ”پرستش“ کو عبادت کا نام نہیں دے رکھا ورنہ حقیقت تقریباً ایک ہی ہے کیونکہ ناموں کے اختلاف سے حقیقت نہیں بدلا کرتی۔

نہ معلوم یہ خرافات کہاں سے اخذ کر لی گئی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین سے ذرا میل نہیں رکھتیں۔ دراصل اندھی عقیدت انسان کے فہم و ادراک کو مکمل طور پر اپنے قبضے میں لے لیتی ہے اور اس بے بسی میں دلائل کی کوئی وقعت نہیں



کلام پاک میں ہے:

نے خاک کی مٹی نہیں پھینکی لیکن وہ اللہ نے پھینکی۔“

فریق ثانی کا کہنا ہے کہ حقیقتاً تو خاک بھری مٹھی جناب رسول اللہ ﷺ نے پھینکی

مفسرین کے نزدیک آیت کریمہ کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ انسانی طاقت سے باہر معجزے میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا خاص دخل ہوتا ہے۔ لہذا آپ ﷺ کا کام مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دینا تھا اور اس کو دور و نزدیک، سامنے اور پیچھے، دائیں بائیں ہر شخص کی آنکھوں میں پہنچانا محض اللہ کی قدرت سے ہوا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کی نسبت اپنی طرف کر دی کہ کم فہم لوگ اس معجزے سے آپ ﷺ کو متاثر کل نہ سمجھتے تھے۔



دوسرا مغالطہ:

حدیث پاک میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد وارد ہے:

”انما انا القاسم واللہ يعطى 1“ ”میں تو بس بانٹنے والا ہوں اللہ عطا کرتا ہے۔“

فریق ثانی نے حدیث بالا سے یہ نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا دینے والا اور رسول اللہ ﷺ تقسیم کرنے والے ہیں لہذا جو کچھ اللہ کسی کو دیتا ہے وہ آپ ﷺ ہی کی تقسیم سے ملتا ہے۔ بظاہر تو الفاظ کو بہترین جامہ پہنایا گیا ہے مگر حقیقت اس طرح نہیں بلکہ یہ قدم میں ملازہ ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کو جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی صفات شمار کرنے لگیں گے تو نہ صرف عذاب خداوندی کے مستحق ٹھہریں گے بلکہ پیارے رسول ﷺ کے احکامات و عمل کے خلاف کرنے سے رسول اللہ ﷺ کے باغی بھی بن جائیں گے۔ کیونکہ یہ بے بنیاد عقیدہ روح اسلام کے سراسر خلاف اور عیسائیت کی ہو بہو پیروی و تقلید ہے۔ جے محدثین کرام کی رائے کے مقابلے میں ہر بات ایجاد بندہ کہلائے گی۔

علامہ طیبیؒ اسکی تشریح میں فرماتے ہیں:

”حدیث سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر منجانب اللہ احکام زکوٰۃ، حج، قربانی و صدقہ، امیر و غریب کے حقوق، مقیم و مسافر کے مسائل، امیر لشکر و غنائم وغیرہ سے متعلق جو کچھ نازل ہوتا تھا اس کو وحی الہی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔“ 2

یہی وجہ ہے کہ احادیث کی تمام کتابوں میں یہ حدیث ”باب العلم“ اور ”باب

العنائم“ میں مذکور ہے جس میں یہ علمی نکتہ پوشیدہ ہے کہ علم اور مال غنیمت حقیقۃ اللہ کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں اور جناب رسول پاک ﷺ اللہ کے حکم کے مطابق اسے لوگوں میں تقسیم فرما دیتے ہیں۔ اگر حدیث بالا سے آنحضرت ﷺ کو مختار کل مان کر یہ ثابت کرنے پر اصرار کیا جائے کہ ”ہر چیز“ آپ ﷺ تقسیم کرتے ہیں تو جواب دیجیے کہ کیا مکلف احکام ہونے کے باوجود آپ ﷺ جھوٹے کو اس کے جھوٹ کا حصہ، شرابی کو اس کی شراب اور دنیا کی دوسری و اہیات چیزیں بھی تقسیم کرتے ہیں.....؟ نیز کیا آپ ﷺ نے ہندو پاک کو ”تقسیم“ کر کے مسلم اکثریتی علاقے اور ہماری بیشمار مساجد بھی غیروں میں بانٹ دی ہیں.....؟ اور یہ بھوک و افلاس سے تنگ آ کر خودکشی کرنے والوں پر کیا آنحضرت ﷺ نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے.....؟ (اعاذ اللہ منہ) اس عقیدے سے آپ ﷺ کی تعظیم نہیں بلکہ توہین لازم آتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی قانون اور حکم کی پابند نہیں سوائے اللہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

### احادیث طیبہ اور عقیدہ مختار کل

اب ہم احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی مصائب و مشکلات میں بندوں کی دستگیری فرماتا ہے اور ان کے بگڑے ہوئے کام بناتا ہے کیونکہ اختیار و تصرف کا دائرہ کار فقط اسی کی ذات تک محدود ہے۔ تمام انبیاء و رسل نے بھی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے اسی ذات کا دامن تھاما اور اسی کے آگے سر تسلیم خم کیا اور یہی تعلیم اپنی اپنی امتوں کو بھی دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور اقدس ﷺ



کے ساتھ سواری پر تھا۔ آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

”اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا۔ اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ، جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد طلب کر۔ اور یقین رکھ ساری دنیا تجھے کوئی نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر ساری دنیا تجھے کوئی نفع پہنچانے پر جمع ہو جائے تو کوئی نفع نہیں دے سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔“

امام ربانی، محبوب سبحانی، شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں ”ہر مومن کو چاہیے کہ حدیث بالا کو اپنے ظاہر و باطن اور کردار کا آئینہ بنائے“ اپنے نام کے ساتھ ”قادری“ کی عظیم نسبت لگانے والوں کے لئے حیران پیر کا یہ قول یقیناً مشعل راہ ہوگا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے فرمایا:

”اے میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ، اے میری چھو بھی صفیہ رضی اللہ عنہا، اے میری لاڈلی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے مملوک مال سے جتنا چاہو مانگ لو مگر اپنے بچاؤ کا انتظام کر لو میں تمہیں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔“

ثابت ہوا کہ سزا سے بچنے یا نجات پانے کے لئے پیغمبروں سے رشتہ بھی کام نہیں آ سکتا۔ جب آپ ﷺ اپنے رشتہ داروں سے اس طرح فرما رہے ہیں تو دوسروں کے مصائب و تکالیف اور خداوندی عذاب سے بچانے کا اختیار بھی آپ کو نہیں، کیا

1۔ مشکوٰۃ، صفحہ 453، ترمذی شریف جلد 2 صفحہ 78

2۔ بخاری شریف جلد 2 صفحہ 702، مسلم شریف جلد 1 صفحہ 114

آپ ﷺ سے بڑھ کر کبھی کسی کا رتبہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں جو چاہے کرتا پھرے؟ نیز آپ ﷺ سے یہ دعا بھی منقول ہے:

”اے اللہ! میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا  
 یا اللہم انسی اسئلك من کل  
 بوں جس کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں  
 خیر خزائنہ بیدک و اعوذ بک من  
 اور تیری ہر برائی سے پناہ چاہتا ہوں جس کے  
 کل شر خزائنہ بیدک۔“

ذرا بتلائیے کہ کیا عقار کل کو بھی ہر موقع پر سوال کی ضرورت ہوا کرتی ہے؟

آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: کسی کا عمل اسے جنت میں لے جانے کے لئے کافی نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت فرمایا: کیا آپ کو بھی اے اللہ کے رسول ﷺ؟ فرمایا: ہاں! مجھے بھی مگر یہ کہ اللہ اپنی رحمت کی آغوش میں لیکر مجھے جنت میں داخل کر دے۔ جی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی شان عاجزی ہے مگر آج ہمارے معاشرے میں تو ہر کس و نا کس جنت کا ٹھیکیدار بنا نظر آتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ چند لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امداد کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے بیت المال سے ان کی ضرورت پوری فرمادی پھر وہ دوبارہ آئے۔ آپ کے پاس جو کچھ تھا وہ سب دیدیا۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جو مال ہوگا میں اسے ذخیرہ بنا کر نہ رکھوں گا کہ تمہیں نہ دوں۔ جی۔

سوال یہ ہے کہ کیا مختار کل کے خزانے بھی کبھی خالی ہو سکتے ہیں؟ کبھی آپ نے سنا

1۔ مستدرک حاکم صفحہ 525

2۔ بخاری شریف جلد 2 صفحہ 957، مسلم شریف جلد 2 صفحہ 377

3۔ سنن نسائی صفحہ 278، ابوداؤد شریف صفحہ 232



ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں فلاں چیز کی کمی ہوگئی ہے؟؟ لوگ ناگہی میں کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو ہر چیز کے حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار حاصل تھا وہ درحقیقت قرآن کیساتھ ساتھ اس حدیث کا بھی انکار کر رہے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

”ایہا الناس انہ لیس لی تحریم“ اے لوگو جو چیز اللہ نے میرے لئے حلال کی ہے مجھے اس کے حرام کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔“

## فقہائے احناف اور عقیدہ مختارِ کل

آخر میں علمائے دین اور فقہ حنفی کے معماروں کی روشنی میں عقیدہ مختارِ کل پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ان ظن ان المیت يتصرف فی“ اگر یہ گمان کرے کہ اللہ کے علاوہ صاحب الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقاده قبر متصرف فی الامور ہے اور اسی کا اعتقاد ذالک کفر ہے۔

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”شرعی امور میں حلت و حرمت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف اس معنی میں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے دین کے مبلغ ہیں۔ اور آپ ﷺ کا کسی چیز کو حلال یا حرام کہنا اس بات کی قطعی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو حلال یا حرام فرمایا ہے نہ کہ خود نبی

کریم ﷺ نے مختارِ کل ہوتے ہوئے اپنی مرضی سے ایسا کیا ہے۔“

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”بیشک مخلوق عاجز اور عدم محض ہے۔ نہ ہلاکت اس کے ہاتھ میں ہے نہ ملک، نہ مالدار، نہ ان کے قبضے میں ہے نہ فقر، نہ نقصان ان کے ہاتھ میں ہے نہ نفع، نہ اللہ کے سوا کوئی قادر ہے نہ کچھ دینے والا اور نہ روکنے والا، نہ کوئی زندگی دے سکتا ہے اور نہ موت“

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”مردوں سے مدد طلب کرنا خواہ ان کی قبروں پر جا کر کی جائے یا عاتبانہ بلاشبہ بدعت ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں یہ معمول ہرگز نہ تھا۔“

خلاصہ کلام:

حماری کائنات کا نظام اور اسے اپنی مرضی و منشا کے مطابق چلانے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں تھا، ہے اور رہیگا جس میں کوئی فرد کسی طرح شریک نہیں۔ وہ اپنے اختیار است برگزیدہ ہستیوں کو عطا کر کے معزول و معطل نہیں ہوا اور نہ کسی کو کائنات میں من مانی کا اختیار حاصل ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی دیگر صفات کی طرح صفت قدرت بھی محدود ہوا کرتی ہے ایسا نہیں کہ وہ جو چاہیں سو کر گزریں۔

اللہ تعالیٰ انبیاء یا اولیاء کے ہاتھ پر معجزے یا کرامت کے طور پر جو کچھ ظاہر فرماتا



۱۳۳

ہے وہ براہ راست اللہ کا فعل ہوتا ہے جو اسی کی قدرت اور منشا کے مطابق ظہور میں آتا ہے۔ اس وجہ سے انہیں خدائی اختیارات میں شراکت دار اور کائنات کے اچھے بھلے کا مالک و مختار سمجھنا بے دینی کے سوا کچھ نہیں اسی طرح کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ کے اختیار میں ہے جس کی تشریح اور وضاحت انبیاء کرام علیہم السلام کیا کرتے ہیں۔ کائنات میں تصرف، قدرت، رزق، اولاد، نفع و نقصان، بگڑی بنانے یا اللہ کی بارگاہ کو دنیاوی درباروں پر قیاس کرنا، قرآن کریم، احادیث طیبہ، طرز صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہ حنفی کے سراسر خلاف، باطل اور مردود ہے، نیز آپ ﷺ کو مختار کل ماننے سے آپ کی شفاعت کا انکار لازم آتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ